آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے — لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہمنے

ریویو آف ریلیجنز

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۴ — بابت ماہ اگست ۱۹۰۵ء — نمبر ۸

فہرست مضامین

میرا دل گوارا نہ کرتا تھا کہ ایک شایع شدہ تحریر کے ذریعہ سے اپنے بھائیونکی شکایت کرون مگر واقعات نے اس تحریر کیلیے مجھے مجبور کیا ہے اور مین یہ بھی دیکھتا ہون کہ چونکہ یہ میرا ذاتی معاملہ نہین بلکہ قوم کا ہی نقصان ہو رہا ہے اسلیے ضروری ہے کہ قوم کو اس حالت کی اطلاع دون۔ اکتوبر سنہ ۱۹۰۳ء مین حضرت مسیح موعودؑ نے نہایت پرزور الفاظ مین اپنی تمام جماعت کو اس رسالہ کی خریداری اور اعانت کے لیئے تحریک کی تھی اور یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ اس رسالہ کی تعداد اشاعت اپنی جماعت مین کم از کم دس ہزار ہونی چاہیئے۔ چنانچہ آپکے اس مبارک ارشاد کے آخری لفظ یہ تھے کہ "اگر بیعت کرنیوالے اپنی بیعت کی حقیقت پر قایم رہ کر اس بارہ مین کوشش کرین تو دس ہزار خریدار کا پیدا ہونا بڑی بات نہین ہے بلکہ جماعت موجودہ کی تعداد کے لحاظ سے یہ تعداد خریداری بہت کم ہے"۔ مگر اسوقت مین اس شکایت کو پیش نہین کرتا کہ کیون دس ہزار کی جگہ ابتک دو ہزار بھی تعداد پوری نہین ہوئی۔ افسوس یہ ہے کہ بعض صاحبان جنہون نے اسوقت خریداری منظور کی۔ تھوڑے دنونکے بعد انکا جوش یہانتک ٹھنڈا ہو گیا کہ چھوٹے چھوٹے عذر و نپر رسالہ بند کرنا شروع کر دیا۔ خیر یہ بھی اچھا ہوا۔ مگر بہت سے احباب ایسے ہین کہ رسالہ خریدتے بھی رہے لیکن جب قیمت طلب کی گئی تو جواب ندارد۔ مین یہ نہین کہتا کہ واقعی انکا یہ منشا رہے کہ قیمت بھی ادا نہ کرین۔ مگر ایک شخص کو جسکے سپرد یہ ذمہ داری کا کام ہو یہی قیاس کرنا پڑتا ہے اول تو خود قیمتونکے دفتر مین موصول ہونیکا انتظار کیا جاتا ہے پھر بعد انتظار کے اطلاعی پوسٹ کارڈ بھیجے جاتے ہین کہ فلان تاریخ تک قیمت دفتر مین آجانی چاہیئے ورنہ پرچہ کو وی پی کر کے قیمت وصول کیجاویگی۔ ان کارڈونکا جواب تو عموماً کچھہ نہین دیا جاتا مگر جب اسقدر احتیاط کے بعد وی پی کیے جاتے ہین تو نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ دو تہائی وی پی انکاری ہو کر آتے ہین اور یون دفتر کو سخت نقصان پہنچایا جاتا ہے اگر کسی صاحب کو اپنے حساب مین کوئی غلطی معلوم ہو یا روپیہ موجود نہو تو کسقدر سیدھی بات ہے کہ اطلاعی کارڈ کے پہنچتے ہی جواب لکھدیا کرین۔ ایک ایک وی پی کے انکاری ہونیمین دو دو آنہ کا نقصان دفتر کو ہوتا ہے اور یون اگر ہر مہینہ مین سو وی پی بھی انکاری ہو کر آوے تو ساڑھے باران روپے ماہوار یا ڈیڑھ سو روپیہ سالانہ کا یہ نقصان ہے۔ کیا قوم اس نقصان کو ہلکا سمجھکر گوارا کرتی ہے؟ اگر نہین تو سب احباب کو چاہیئے کہ اس نقص کے رفع کرنے مین کوشش کرین جن صورتون خصوصیت سے دفتر سے اطلاعی کارڈ قبل وی پی بھیجنے کے روانہ ہوتے ہین تو سوا اسکے اور کیا ہے کہ محض سستی سے یا عمداً دفتر کو نقصان پہنچایا جاتا ہے اگر کوئی اور مزید احتیاط دفتر کیطرف سے ہونی چاہیئے تو مین اسکے سننے کا منتظر ہون اور اسپر عمل کرونگا کیونکہ مجھے اسقدر قومی نقصان سے سخت رنج پہنچتا ہے۔ اگر کوئی وجہ عذر ہو تو چاہیئے کہ فی الفور کارڈ کے پہنچنے کے ساتھ اس سے مطلع کر دیا کرین ۔ محمد علی منیجر

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

غلامی

۱ — اسلام سے پہلے غلامی کی حالت

جن لوگون نے غلامی کے خلاف لکھا ہے انہون نے اسکی ایسی تقبیح کی ہے اور اسے سرتاپا ایسا خوبیون سے
خالی اور مضرات سے پُر ثابت کرکے دکھانیکی کوشش کی ہے کہ جو شخص ٹھنڈے دل سے اور جوش سے خالی ہوکر
اس مضمون پر قلم اٹھاوے اور جسکا مقصد یہ ہو کہ ہر شے کی تہ تک پہنچے اور بدی پر اسوقت بھی لعنت بھیجنے کیلیے تیار
ہو جب وہ نیکی کا لباس پہن کر نکلے اور نیکی کی اس وقت بھی تعریف کرنیکے لیے آمادہ ہو جب دنیا اس نیکی کو برا سمجھ
رہی ہو۔ اسکا یہ فرض ہے کہ ابتدا مین ہی اس غلط فہمی کو دور کرے کہ غلامی کا رواج سراسر لغو اور فضول تھا
جس سے فایدہ کوئی نہ تھا بلکہ سراسر نقصان ہی نقصان تھا مین اس رائے کے ساتھ اتفاق نہین کرتا۔ حق یہ ہے
کہ انسانی سوسایٹی اپنی تدریجی ترقی مین ایسی حالتون سے ہو گذری ہے کہ ان حالات کے ماتحت غلام بنانے مین
نہ صرف وہ حق پر ہی تھی بلکہ ضروری تھا غور کرو تو دل مین ایک دہشت سی پیدا کرتے ہین مگر تاہم بہت سی اغراض
ترقی کیلیے ان کا جاری رہنا ضروری ہے۔ جس وقت ایک فتحیاب جرنیل بڑے بڑے جہازون کو جن پر ہزارہا انسان
ملک کے چیدہ اور بہادر نوجوان موجود ہوتے ہین ایک دم مین غرق کرکے سمندر کی تہ مین پہنچا دیتا ہے یا ایک بڑے
شہر پر گولہ باری کرکے بیشمار بے گناہ عورتون اور بچون کو تباہ کر دیتا ہے تو کبھی اسکی آنکھ مین ایک آنسو بھی نہین
آتا۔ مگر ہر حالت مین یہ کہنا جایز نہ ہوگا کہ وہ ایک سخت دل ظالم اور بیرحم انسان ہے وہ لوگ جو اپنی رحمدلی
کے سبب ایک انسان کے قتل کو برداشت نہین کر سکتے اور اسکے واقعات کو سن کر کانپ اٹھتے ہین وہی
تھا کہ ایسے حالات مین غلامی کا رواج ہوتا۔ دنیا مین بہت سے رواج ابتک چلے آتے ہین جن پر

دوسرے موقعہ پر ہزار ہا انسانوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے یا اپنی آنکھوں کے سامنے قتل ہوتے دیکھکر کبھی لرزہ نہین کھاتے بلکہ بسا اوقات خوش ہوتے ہین جنگون کا ہونا انسانی سوسائیٹی کی ضروریات مین سے رہا ہے اور ابتک یہی حال ہے۔

جون جون انسانی گذشتہ تاریخ کو مطالعہ کیا جاوے یہ معلوم ہوگا کہ لڑائیان انسان کی ابتدائی ترقی مین اس کی موجودہ حالت سے بڑھکر ضروری رہی ہین اور انہین جنگون کے لوازمات مین سے ہی غلامی بھی ہے یا تھی۔ بلکہ درحقیقت غلامی کا رواج انسانی ترقی مین ایک عظیم مرحلہ تھا کیونکہ اس رواج کے ساتھ وہ بیرحمی جاتی رہی جس کے رو سے کل کے کل اسیر جو کسی دوسری قوم کے ساتھ جنگ مین ہاتھ لگے ہون قتل کیے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک عیسائی مصنف لکھتا ہے "مگر اس بات کو ابھی تک لوگون نے اچھی طرح نہین سمجھا کہ پہلی تمدنی تدریجی ترقی مین جنگ ایک ضروری فرض کو ادا کرنیوالی تھی۔ اول اس لحاظ سے کہ جنگ کا اصلی مقصد یہ تھا کہ متفرق قومین ایک ہو جاوین اور اس لحاظ سے یہ ضروری تھا کہ مخالفین مین سے جو لوگ پکڑے جاوین وہ ایک ماتحتی کی حالت مین رکھے جاوین تا دوبارہ اس قوم کو سر اٹھانے کی طاقت نہ ہو اور یون جنگ کا اصل مقصد حاصل ہو۔ دوئم اس لحاظ سے کہ یہ مسلم امر ہے کہ ابتدا مین انسانی سوسائیٹی مین محنت اور مشقت کے کامون سے گریز کیا جاتا ہے اور عموماً آرام طلبی زیادہ ہوتی ہے پس جب ایک قوم کے لوگ اپنے مخالف لوگون کے درمیان آ کر رہین گے۔ تو وہ سوائے مجبوری کے کبھی کام نہ کرین گے اسلیے ضروری ہوا کہ انکو غلام بنا کر ان سے کام لیا جاوے۔ اس دوسرے امر کے متعلق اس قدر کہدینا کافی ہے کہ دنیا کی کسی قوم مین بھی خود بخود اور خوشی سے محنت کو اختیار نہین کیا گیا۔ بلکہ ہر ایک ملک مین جس کا ہمین علم ہے یہی نظر آتا ہے کہ زبردستون نے مجبور کر کے زیردستون کو کام پر لگایا ہے اور ان سے محنت شاقہ کے کام لیئے ہین اور آخر جب مدت تک یہ مجبوری چلی آئی تو پھر اس قوم کی عادت مین وہ امر داخل ہو گیا امر اول کے لحاظ سے آزاد آدمی لازماً جنگ پیشہ تھے اور غلام محنت کا کام کرنیوالے لوگ تھے اور یہ دونون گروہ ایک دوسرے کے لیے بطور معاون تھے اور ایک کا وجود دوسرے کے سہارے اور آسایش کیلیے اور اسکے کام پر لگا رہنے کیلیے ضروری تھا۔ اور یون بغیر مقابلے اور جھگڑے کے وہ دونون ایکدوسرے کے معاون ہو کر انسانی سوسائیٹی کی ترقی کے ذرائع تھے"

اسیران جنگ کے قتل کی بجائے انکے غلام بنا لینے کے رواج کی تدریجی ترقی اسرائیلی شریعت مین واضح طور پر نظر آتی ہے اسیران جنگ کو الگ چھوڑ کر اول تو یہی حکم ہے کہ "جو کوئی فقط خداوند کے سوا کسی معبود کے لیے قربانی کرے وہ عذاب سے مار ڈالا جاوے" (خروج ۲۲/۲۰)۔ ایسا ہی استثنا ۱۳-آیت ۱۲-۱۸ مین یہ حکم ہے کہ جس شہر کے لوگ غیر معبودون کی پرستش کرنیوالے ہون "تو تو اس شہر کے باشندونکو تلوار کی دھار سے ضرور

قتل کریگا[۱] اور اس کی ساری لوٹ کو وہان کے کوچے کے بیچ و بیچ اکھٹا کریگا اور اس شہر کو اور وہین کی لوٹ کو خداوند اپنے خدا کے لیے آگ سے جلا دیگا اور وہ ہمیشہ کو ایک ٹیلا ہوگا پھر بنایا نہ جائیگا" پھر استثنار ۲۰ ۱۷-۱۶ مین یہ لکھا ہو "لیکن ان قومون کے شہرون مین جنہین خداوند تیرا خدا تیری میراث کر دیتا ہے کسی چیز کو جو سانس لیتی ہے جیتا نہ چھوڑیو بلکہ تو ان کو حرم کیجیو۔ حِتی اور اموری اور کنعانی اور فرزی اور حوی اور یبوسی جیسا خداوند تیرے خدا نے تجھے حکم کیا ہے۔" یہ احکام عمل مین بھی آتے رہے چنانچہ گنتی ۲۱ ۳ مین مذکور ہے "چنانچہ خداوند نے اسرائیل کی آواز سنی اور کنعانیون کو گرفتار کر دیا اور انہون نے انہین اور ان کی بستیونکو حرم کر دیا" (حرم کر دینے سے مراد یہ ہے کہ ہر ایک جاندار شے کو ہلاک کر کے تباہ کر دینا) پھر قاضیون ۱ ۱ مین لکھا ہے "اور انہون نے ان کنعانیون کو جو صفت مین رہتے تھے جا مارا اور شہر کو حرم کر دیا" ایسا ہی دیکھو قاضیون ۲۱ ۱۲-۱۰ جہان لکھا ہے "اور انہین حکم دیا کہ یبیس جلعاد کے باشندونکو جاکے عورتون اور بچون سمیت قتل کرو" یشوع ۶ ۲۴ "پھر انہون نے اس شہر کو اس سب سمیت جو اس مین تھا پھونک دیا" اسموئیل ۱۵ ۳ "سو اب تو جا اور عمالیق کو مار اور سب جو کچھ کہ ان کا ہے یک لخت حرم کر اور ان پر رحم مت کر بلکہ مرد اور عورت ننھے بچے اور شیر خوار اور بیل بھیڑ اور اونٹ اور گدھے تک سب کو قتل کر" ۱ تواریخ ۴ ۴۱ "اور معونیم کو جو وہان ملے قتل کیا ایسا کہ وے آج کے دن تک نابود ہین" معلوم نہین ان پادری صاحبان کو ایسے ایسے واقعات پڑھ کر کچھ شرم آتی ہے یا نہین جو اسلام پر اسلیے اعتراض کرتے ہین کہ اپنی حفاظت کیلیے بھی تلوار کیون اٹھائی گئی۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ ہے ۔اسرائیلی شریعت کو غور کی نگاہ سے پڑھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ اسیران جنگ کو بجائے قتل کرنیکے غلامی مین لینے کا نرم قانون بھی رواج ہونا شروع ہو گیا تھا اور یون ان کی زندگی بچ کر وہ اپنے آقا کی خدمت مین زندگی بسر کرتے اسی لیے غلامی کا قانون بھی حضرت موسےؑ کی شریعت مین پایا جاتا ہے مگر عام رسم اس زمانہ کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ مردون کو قتل کر دیا جاتا اور عورتون اور بچونکو غلام بنا لیا جاتا دیکھو استثنار باب ۲۰۔ آیت ۱۰-۱۴۔ مگر اسرائیلیون کے درمیان صرف جنگ ہی غلام بنانے کا ذریعہ نہ تھی بلکہ وہ دوسری قومونکے ساتھ غلامونکی خرید و فروخت بھی کرتے تھے اور بعض ایسی اقوام انکے قریب قریب آباد تھین جو غلامی کی تجارت مین بہت مشہور تھین۔ اس ذریعہ سے غلامون کی کثرت ہو گئی۔

مگر اسرائیلی شریعت مین غلام کیحالت ایسی خراب نہ تھی جیسا دوسری بعض قدیم اقوام کے اندر کل شامی قومونکے درمیان غلام کو خاندان کا ایک ممبر سمجھا گیا ہے اور اسی لیے ان اقوام کے اندر آقا کا سلوک غلام کے ساتھ عموماً نرم رہا ہے۔ اگرچہ مالک کو مملوک پر ہر طرح سے اختیار حاصل تھا مگر وہ اسکو جان سے نہین مار سکتا تھا صرف ایک استثنا تھی جو خروج باب ۲۱۔ آیت ۲۰-۲۱ مین مذکور ہے "اور اگر کوئی اپنے غلام یا لونڈی کو لاٹھیان مارے

[۱] اور اسے اور سب کچھ جو اس شہر مین ہے اور وہان کے مواشی کو تلوار کی دھار سے نیست و نابود کریگا

اور وہ لاٹھیان کھاتی ہوئی مرجائے۔ تو اسے سزا دیجائے لیکن اگر وہ ایک دن یا دو دن جیوے تو اسے سزا نہ دیجائے اسلیے کہ وہ اسکا مال ہے" اگر آزاد آدمی کسی دوسرے کے غلام یا لونڈی کو ماردیتا تو صرف خونبہا مالک کو دینا ہوتا تھا (خروج باب ۲۱-آیت ۳۲)- جو غلام قوم اسرائیل کے تھے اُنسے غیر اسرائیلیونکی نسبت عمدہ سلوک ہوتا تھا- چھ سال غلام رہنے کے بعد وہ بغیر فدیہ دینے کے آزاد سمجھے جاتے تھے (خروج باب ۱-آیت ۲) مگر عبرانی لونڈی کے ساتھ غیر اسرائیلی غلام شادی نہ کرسکتا تھا اور مالک یا مالک کا بیٹا ہی اسپر تصرف کرسکتا تھا- اسرائیلی غلام جب چھ سال بعد آزاد ہوتا تو مالک کو یہ بھی حکم تھا کہ اسے جاتے وقت کچھ ساتھ بھی دے (استثنار باب ۱۵ آیت ۱۳ و ۱۴) مگر دوسرے غلامونکو ان حقوق مین سے کوئی حق حاصل نہ تھا- ہان اس کو عبادت مین شریک کرلیا جاتا سو اسکی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ کسی اور طرحپر پرستش کرنیکا مجاز ہی نہ تھا- بہرحال یون خاندان مین شامل ہوجانیسے غلام کو فائدہ ضرور پہونچتا تھا-

یونانیون اور رومیون مین غلامی کے متعلق بھی چند لفظ بے موقعہ نہ ہونگے- یونان مین اسیران جنگ کے علاوہ کئی طرحسے لوگ غلام بنائے جاتے تھے آزاد ماں باپ اپنے بچے کو بیچکر غلام بنادیتے تھے اسکے علاوہ اور غلام بھی بازار مین بکنے کیلیے ہروقت موجود رہتے تھے- چور اکثر یا زبردستی چھین کر بھی غلام بنالیے جاتے تھے- یونانی تہذیب کے بڑے بڑے مرکزون مین غلامونکی تعداد بہت بڑھی ہوئی تھی- ایتھنز مین ۲۱۰۰۰ اصل باشندونکی آبادی مین چار لاکھ غلامون کا ہونا بیان کیا جاتا ہے- کارنتھ مین چار لاکھ ساٹھ ہزار- ایجانیا مین چار لاکھ ستر ہزار غلامونکی تعداد بتائی جاتی ہے- بعض مورخون نے ان اعداد مین کسی قدر مبالغہ بیان کیا ہے مگر کم سے کم اندازہ جو غلامونکی آبادی کا کیا گیا ہے اسکے رو سے بھی غلامونکی آبادی آزاد آبادی سے تگنی بیان کیجاتی ہے-

رومیونکے درمیان غلامی کا اصل منبع جنگ ہی تھی- مگر جون جون دولت بڑھتی گئی غلامونسے خدمت لینے کی ضرورت بھی زیادہ ہوتی گئی اور یہ ضرورت دو طرحسے پوری ہوتی رہی یعنی ایک حد تک اسیران جنگ کی تعداد مین یوماً فیوماً ترقی ہوتی گئی اور دوسری طرف غلامی کی تجارت شروع ہوکر خرید کے ذریعہ سے غلام آنے لگے- انسکلوپیڈیا برٹینیکا مین لکھا ہے کہ "ایپیرس مین ایمیلیس پالس کے فتوحات کے بعد ایک لاکھ پچاس ہزار قیدی بیچے گئے- دو اَور مقاموپر بھی جنگ کے قیدیونکی تعداد اسیقدر بیان کی گئی ہے- سیزر نے ایک ہی موقعہ پر ترسیٹھ ہزار قیدی فروخت کیے آگسٹس نے سلاسی کے ملک مین چوالیس ہزار قیدی گرفتار کیے- قحط اور تکلیفون اور اکھاڑونکی ہلاکت کے بعد بھی یہودی جنگ مین ستانوے ہزار غلام بنائے گئے" ایکسو چھیالیس قبل مسیح اور ۵ سنہ عیسوی کے درمیان کے زمانے مین بحساب اوسط ہر ایک آزاد کے لیے تین غلام تھے جبکہ کل آزاد آبادی اٹھتر لاکھ چوالیس ہزار اور غلامونکی آبادی دو کروڑ آٹھ لاکھ تنتیس ہزار تھی- امرا کے پاس غلامونکی ایک خاصی فوج

جمع ہوتی تھی اگسٹس کے زمانے مین ایک شخص چار ہزار ایک سو سولہ غلام چھوڑ مرا معلوم ہوتا ہے یونان اور اٹلی مین اس زمانے مین وسیع پیمانے پر غلامی کی تجارت ہوتی تھی۔

رومی سلطنت کی نسبت یونان مین غلامون کی حالت اچھی تھی مگر یونان مین بھی ان غلامون کے علاوہ جنسے گھر کے کام لیے جاتے تھے دوسرے غلامون سے سخت محنت لیجاتی تھی جو غلام زراعت کے کام مین لگائے جاتے تھے انکو اکثر زنجیرین ڈالکر کام پر لگایا جاتا تھا اور ان سے محض چارپایون کا سا سلوک ہوتا تھا۔ غلامون اور عورتونکی شہادت ان کو سخت اذیت پہنچا کر لیجاتی تھی۔ اگر غلام کا کوئی عضو کاٹ دیا جاتا یا اسے کوئی ضرب شدید پہنچائی جاتی تو غلام کو کوئی حق نہ پہونچتا بلکہ اس کا معاوضہ مالک کو دلایا جاتا تھا۔ رومی قانون کے بموجب مالک کو مملوک پر پورا حق حاصل تھا یعنی جو چاہے اسے کرے یہانتک کہ اسے جان سے مار ڈالنے کا بھی اسے حق حاصل تھا۔ جب غلامونکی تعداد ترقی کر گئی تو چونکہ انکے کام کی نگرانی کا انتظام عمدہ نہ ہو سکتا تھا اسلیے یہ تجویز کی گئی کہ کام کے وقت غلام کو زنجیرین ڈالدیجاوین اور یہ قاعدہ یہانتک وسیع ہوا کہ دروازہ پر جو غلام محافظ ہوتا اسکو بھی زنجیرین ڈالدیجاتین اس مین شک نہین کہ بعض اوقات غلامونسے نیک سلوک بھی کیا جاتا تھا۔ مگر غلامونکی عام حالت نہایت ہی ذلیل اور بری تھی۔ ہلکی سزا جو غلامونکو دیجاتی تھی وہ یہ تھی کہ قصبہ سے نکالکر انکو دیہات مین مزدوری کے کام پر لگایا جاتا اور سخت سزا یہ تھی کہ انکو کارخانون یا کانون وغیرہ مین کام کرنیکے لیے بھیجدیا جاتا جہان مرد اور عورتین ملے جلے قریباً ننگے زنجیرونسے بندھے ہوئے ...... سپاہیونکی حفاظت اور کوڑون کے نیچے کام کرتے تھے اگسٹس کے زمانے مین ویڈیس پالیو کا ذکر ہے کہ وہ نہایت چھوٹے چھوٹے قصورون پر بلکہ اتفاقی غلطی کیوجہ سے بھی اپنے غلامونکو بحری اژدہاؤن کے آگے ڈالتا تھا۔

رومی سلطنت کے اندر ہی عیسائی مذہب بھی پیدا ہوا۔ اور اگر اسکا مشن غلامونسے حسن سلوک کا ہوتا تو سب سے اول یہی ملک تھا جو اس کی ایسی تعلیم کا محتاج تھا کیونکہ جسقدر غلامونکی حالت رومی سلطنت مین ابتر ہو رہی تھی ایسی اور کہین نہ تھی انکے ساتھ سخت سے سخت اور ظالمانہ سلوک ہوتا تھا پس ایک مصلح کا پہلا فرض ایسی حالت مین یہ تھا کہ اگر انکی آزادی پر نہین تو کم سے کم انکے ساتھ حسن سلوک پر ہی زور دیتا۔ اور ان مظالم کو جو غلامون پر ہو رہے تھے کھول کھولکر بیان کرتا۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ حضرت مسیح کے اقوال مین جو اسی زمانہ مین وعظ کر رہے تھے ایک لفظ بھی ایسا نہین پایا جاتا جس سے غلامون پر ظلم کے متعلق انکا اظہار ناپسندیدگی کا پایا جاتا ہو۔ کم سے کم جو اقوال آپکے اناجیل مین درج ہین ان مین ایک لفظ بھی غلامونکے ساتھ حسن سلوک کے بارے مین نہین۔ اور نہ ہی مالکون کو ان بیرحمیون اور ظلمونسے روکا گیا جو وہ غلامون پر کرتے تھے۔ تعجب ہے کہ سر ولیم میور جیسا مورخ اسلام پر یہ الزام دے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے غلامی کو دور نہین کیا درآنحالیکہ اسے علم ہو کہ بانی عیسائیت نے اپنے سارے وعظون مین ایک دفعہ بھی ان مظالم سے لوگونکو نہین روکا جو اس کی آنکھون کے

سامنے غلامون پر ہوتے تھے۔ حضرت مسیح کی اس خاموشی کا عیسائی مذہب پر یہ اثر ہوا کہ بحیثیت مذہب غلامون
...... پر ظلم اور ان کی گری ہوئی اور ذلیل حالت سے اس نے کبھی نفرت ظاہر نہین کی۔ عیسائی صاحبان
کا یہ دعوے ہے کہ چونکہ عیسائی مذہب نے بڑی بھاری تبدیلی جو دنیا مین کی وہ یہ تھی کہ سب انسان آپس مین بھائی
ہین اس لیے اسی تعلیم کا بالواسطہ اثر غلامون کی حالت پر بھی پڑا اور اسکے ثبوت مین یہ امر پیش کیا جاتا ہے کہ
عیسائیت کے زور پکڑنے کے ساتھ رومی سلطنت مین غلامونکے ساتھ نرمی کا سلوک دن بدن بڑھتا گیا مگر
اول تو پہلا دعوے ہی غلط ہے۔ یہ بات کہ سب انسان بھائی ہین۔ تمام انبیاء کی تعلیم مشترک ہے اور مسیح سے پہلے
سب نبیون نے یہی تعلیم دی اور جب سے خدا نے شریعت دنیا مین نازل فرمائی ہے اسکے دو حصے ہی قرار دیئے
ہین یعنی اللہ تعالے کے ساتھ پاک تعلق اور اسکی مخلوق سے نیک سلوک۔ عیسائیت نے ہرگز اس بارے مین کوئی
نئی تعلیم نہین دی۔ باقی رہا رومی سلطنت مین غلامونکی حالت کا تدریجاً بہتر ہوتے جانا سو اسکا عیسائیت سے
کچھ تعلق نہین۔ یہ اصلاح تو عیسائی مذہب کے زور پکڑنے سے مدت پہلے شروع ہو چکی تھی۔ دوسری صدی عیسائی
مین جب ابھی عیسائی مذہب کو اپنی زندگی کا فکر ہی پڑا ہوا تھا۔ قانون کا میلان آزادی کیطرف شروع ہو گیا
تھا۔ لڑکون کے بیچنے وغیرہ کے رواج بند ہو چکے تھے کسی انسان کو غلامی کے لیے چرانا ایسا سنگین جرم قرار
دیا جا چکا تھا کہ جس کی سزا موت تھی۔ مالک سے غلام کو جان سے مار ڈالنے کا اختیار چھین لیا گیا تھا۔ اور یہ
ہیڈرین کے زمانے کا ذکر ہے جو ۱۱۷ء عیسوی مین تخت پر بیٹھا اس سے بہت مدت پہلے شہنشاہ نیرو نے جو ۵۴ء
عیسوی مین تخت نشین ہوا عدالتونکو یہ ہدایت کی تھی کہ غلامون پر جو ظلم کئے جاتے ہین ان کے متعلق استغاثون
کی سماعت کیجاوے۔ اب یہ سب تبدیلیان جو قانون غلامی مین واقع ہو رہی تھین یہ زمانہ کی اپنی رفتار کا
نتیجہ تھین اور عیسائی مذہب کو انسے کچھ بھی تعلق نہین کیونکہ عیسائی مذہب کی اپنی بنیاد ابھی متزلزل تھی اور
اسکا اثر پڑنا شروع نہ ہوا تھا۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ عیسائی مذہب بجائے اپنے گرد و پیش کے خیالات پر اثر
ڈالنے کے ہمیشہ دوسرون کے خیالات سے متاثر ہوتا رہا ہے۔ اسکے بنیادی اصول ہی اکثر ان کفار قوم سے
لیئے گئے ہین جن کے درمیان یہ مذہب پیدا ہوا پھر اسکا اثر دوسرے رواج پذیر کیا ہوتا تھا خصوصاً اس حالت
مین جب اسکے بانی کے منہ سے ایک لفظ بھی غلامی کے دور کرنے یا غلامونسے حسن سلوک کرنیکے متعلق نہ نکلا ہو۔
نیک اثر تو ایک طرف رہا یہان تو تاریخ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو تغیر خود رفتار زمانہ سے غلامون
کی بہتری کا پیدا ہو رہا تھا اسکو عیسائی مذہب نے ترقی دینے کی بجائے بہت کچھ روکا۔ چنانچہ رومی عیسائی
بادشاہونکے بعض قوانین سے یہ ترقی معکوس صاف معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً بچونکی فروخت کو روکنے کا
قانون پہلے پاس ہو چکا تھا مگر قسطنطین نے اس قانون کو منسوخ کرکے پھر اس بات کو مروج کر دیا کہ آزاد

والدین اپنے بچونکو بیچ کر غلام بنا سکین۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ بہت سی غلامی کی سختیان عیسائیت کی ترقی سے دور ہوگئیں اس کی اصل حقیقت مین پہلے بیان کر چکا ہون کہ اصلاح تو پہلے ہی شروع ہو چکی تھی اور اسی رفتار سے تدریجاً ہوتی چلی گئی اور عیسائیت نے اس مین کوئی خاص حصہ نہین لیا نہ ہی کوئی خدمت قابل تعریف کی ہے۔ باقی رہی عیسائیت کی وعظ کہ تمام انسان بھائی ہین جس سے بڑے لمبے چوڑے نتیجے نکالے جاتے ہین سو یہ محض خشک الفاظ ہی رہے ہین اس کے ثبوت کیلیئے ایک عیسائی کی شہادت کو پیش کرتا ہون۔ ”مذہبی اخوت جیسی آج کل اسلام مین ایک واقعی طاقت ہے ایسی ہی یہودیون مین بھی ایک واقعی طاقت تھی۔ اور عیسائیت کی مذہبی اخوت کے ادعا کی طرح خالی دعوے ہی دعوے اور خشک لفظ ہی نہین تھے“ (دیکھو انسکلوپیڈیا ببلیکا کالم نمبر ۴۶۵۸) اور پھر جب ہم غلامونکے بارے مین اس سنگدلی اور بیرحمی کو دیکھتے ہین جس کا اظہار اکھاڑونین ہوتا تھا۔ اور جو پورے زور شور کے ساتھ جسٹینین کے وقت تک جاری رہی تو اور بھی اس دعوے کی حماقت کی شہادت ملتی ہے۔

ایک طرف قدیم زمانے کی دو بڑی مہذب اقوام یعنی رومیون اور یونانیون مین اور دوسری طرف قدیم زمانیکے دو بڑے مذہبون یعنی یہودیت اور عیسائیت مین غلامونکی حالت پر غور کرنیکے بعد ہم اس قابل ہین کہ ان مضرات کو سمجھ سکین جو رواج غلامی سے پیدا ہوتے تھے۔ کیونکہ جہان ایکطرف قدیم سوسائٹی کا ثابت ہے۔ دوسری طرف اسکی بعض قباحتین بھی صاف نظر آتی ہین جن کے دور کرنیکے بغیر غلامی انسانونکے لیے واقعی لعنت کہی جا سکتی ہے۔ غور سے معلوم ہوتا ہے کہ غلامونکو اول تو جاہل اور تمام علوم سے محض نابلد رکھا جاتا تھا۔ پھر انکے ساتھ سخت ظلم کا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ پھر یہ بھی سمجھا جاتا تھا کہ وہ ایسی مخلوق ہے جو صرف حقیر کام کرنیکے لیے اور ذلت مین زندگی بسر کرنیکے لیے پیدا ہوئی ہے اور انکو محض حیوانونکی طرح سمجھا جاتا تھا۔ دوسری طرف مالک کو مملوک پر کلی اختیارات حاصل ہونیکی وجہ سے مالک ایک چھوٹے سے ظالم بادشاہ کی طرح ہوتا تھا۔ پس اخلاقی لحاظ سے اور ایک حد تک تمدنی پہلو مین غلامی کے رواج کا اثر بہت ہی برا تھا اور سب سے بڑی اور ضروری اصلاح جسکا یہ رواج محتاج تھا وہ مالک اور مملوک کے تعلقات سے متعلق تھی۔ اس مین شک نہین کہ نسبتاً اسرائیلی شریعت مین بہت کچھ نرمی غلامونکے ساتھ کی گئی تھی۔ مگر عام اثر غلامی کا یہ ہو گیا تھا کہ مالک کے ساتھ سخت دلی اور مملوک کے ساتھ ذلت لگی ہوئی تھی۔ عیسائی مذہب نے باوجود ان بڑے بڑے دعوونکے جو آج پادری صاحبان منبرو پر چڑھ کر کر رہے ہین۔ ان مضرات کے روکنے یا انکی اصلاح کی کوئی تدبیر نہ بتائی۔ اسلیے مین ان دوسری اصلاحونکو بیان کرنیسے پہلے جو غلامی مین اسلامی قانون اور ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کین۔ یہ بیان کرونگا کہ غلامونکے ساتھ کیسا حسن سلوک اس پاک شریعت نے چاہا ہے۔ آقا اور غلام کے باہمی تعلقات مین عظیم الشان اصلاح اسلام نے کی ہے

اور اسی ایک اصلاح نے غلامی کی تمام بدیون اور مضرات کو جڑ سے کاٹ دیا اور خاص اغراض کیلیئے ایک نہایت ہی محدود دایرے مین غلامی کی برداشت کرکے حسن سلوک کے متعلق ایسی شرایط لگادین جنہون نے غلامی کی تمام اخلاقی اور تمدنی مضرات کو بیخ وبن سے اکھاڑ دیا۔

۲ - اسلام مین غلامون سے سلوک

یہ ایک امر واقع ہے جس کی تصدیق روزمرہ واقعات سے ہو رہی ہے کہ مسلمانون مین مالک اور مملوک کا تعلق مغرب مین آقا اور نوکر کے تعلق سے بدرجہا بہتر ہے جو لوگ صاحب مرتبہ یا صاحب ثروت ہین وہ غریب لوگونکو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہین مگر یہ حقارت ان مغربی اقوام مین سب سے بڑھی ہوئی ہے جنکو اس بات پر فخر ہے کہ ہم غلامی کے رواج سے آزاد ہوچکے ہین۔ اس مین شک نہین کہ غلامی کے نام کو تو انہون نے دور کردیا ہے مگر اس کی حقیقت اب بھی آقا اور نوکر کے تعلقات مین ویسے ہی پائی جاتی ہے۔ اور نام کی تبدیلی سے حقیقت مین کوئی تبدیلی واقع نہین ہوئی۔ ایک مہذب یورپین جب ایک غیر قوم کے آدمی کو ملازم رکھتا ہے تو وہ اسے ایک وحشی سے بھی بدتر سمجھکر سلوک کرتا ہے خصوصاً اس حالت مین جب ملازم کا کام ادنیٰ درجہ کا ہو۔ اور جہانتک سختی اور سلوک کا سوال ہے کوئی شخص امتیاز نہین کرسکتا کہ صاحب کا سلوک اپنے نوکر سے اچھا ہے یا قدیم زمانے مین ایک رومی مالک کا تعلق اپنے غلام سے اچھا تھا۔ شاید ہی کوئی موسم گرما ایسا گذرتا ہوگا جب یہ آواز ہمارے کانون مین نہ پڑتی ہو کہ ایک غریب پنکھا قلی کو صاحب بہادر نے مار مار کر صرف اسلیے ہلاک کردیا کہ اس بدقسمت کو تھک کر ذرا اونگھ آگئی تھی اس حالت مین مین نہین سمجھتا کہ رومی مالک کو وہ کونسا اختیار اپنے غلام پر حاصل تھا جو اب ایک مہذب عیسائی کو اپنے نوکر پر حاصل نہین یا کونسی بدسلوکی وہ کرتا تھا جو اب نہین کیجاتی۔ اور گالیان دینا یا معمولی طور پر مار لینا تو کوئی بات ہی نہین۔ مہذب یورپین اقوام کو غلامی کے موقوف کرنے پر اسوقت تک فخر نہین کرنا چاہیئے جبتک کہ حقیقت غلامی یعنی نوکرونپر ظلم اور انکے ساتھ بدسلوکی سے وہ نجات حاصل نہ کرلین۔ اگر غلامی کے موقوف کرنے مین بڑی غرض یہ تھی کہ جو ظلم ایک مالک مملوک سے خدمت لینے مین کرسکتا ہے۔ انکو روکا جاوے۔ اور ان لوگونکو جو غلام کہلاتے ہین ان کی ذلیل حالت سے نکالکر دوسرے انسانونکی طرح انکو سمجھا جاوے تو مین دعوے سے کہتا ہون کہ یورپ مین سے ابھی تک غلامی کا رواج دور نہین ہوا اور ابھی تک یورپ نے وہ مقصد حاصل نہین کیا جو اسلام اس سے تیرہ سو سال پہلے حاصل

کر چکا ہے کیا یہ سچ نہین کہ یورپین لوگ دیسی ملازمون کو جن سے وہ خدمت کا کام لیتے ہین وحشیون سے اچھا نہین سمجھتے ؟ پھر اتنی بات سے کیا فرق ہو جائیگا کہ وہ ان کا نام غلام نہین بلکہ خادم رکھتے ہین۔ آقا اور خادم کے سچے تعلقات کو سمجھنے مین یورپ ابھی اسلام سے باوجود تیرہ صدیان گزر جانیکے بہت پیچھے ہے۔ جو ذلت قدیم اقوام مین غلام کے نام سے لگی ہوئی تھی۔ اور پھر عیسائی نوآبادیون کی غلامی مین لگی رہی اور جو ذلت آج بھی غریب اور کم حیثیت آدمیونکی کی جاتی ہے اسلام نے اس کو غلامی کے نام سے قطعًا دور کر دیا اور نہ صرف لفظون مین ہی بلکہ عملی طور پر اسے جڑ سے کاٹ دیا اسلام کے ظہور سے آقا اور خادم یا مالک اور مملوک کے تعلقات سچے برادرانہ تعلقات سے بدل گئے۔ آقا اپنے غلام کی محنت کے کامون مین ...... شریک ہونے لگا اور غلام اپنے آقا کی وجاہت اور عزت مین شریک ہو گیا۔ یہ صرف انہین آقاؤن کی حالت نہ تھی جو سوسائیٹی کے درمیانی یا نچلے درجہ مین تھے بلکہ معزز سے معزز اور دولتمند سے دولتمند آقاؤن کا بھی یہی حال تھا۔

سب سے پہلے ہمین قرآن شریف کی تعلیم پر غور کرنا چاہیئے کہ وہ غلامونکے ساتھ کیسا سلوک چاہتا ہے اس بارے مین مندرجہ ذیل آیت قرآن کریم مین وارد ہوئی ہے۔ واعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا وبالوالدين احسانا وبذى القربى واليتمى والمساكين والجار ذى القربى والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبيل وما ملكت ايمانكم ان الله لا يحب من كان مختالا فخورا (النساء - ع ۶ - آیۃ ۳۶) یعنے اللہ ہی کی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ اور احسان کرو ماں باپ کے ساتھ اور قرابت والون اور یتیمون اور محتاجون اور قرابت والے پڑوسیون اور اجنبی پڑوسیون اور پاس کے بیٹھنے والون اور مسافرون اور لونڈی غلامونکے ساتھ جو تمہارے قبضے مین ہین اللہ ان لوگون کو دوست نہین رکھتا جو اترائین (یعنی دوسرونکے حقوق کی پرواہ نہ کرین) اور بڑائی مارتے پھرین (یعنی دوسرونکو حقیر سمجھین)۔ اس آیت شریف مین دو قسم کے احکام ایک ہی جگہ اکٹھے کرکے بیان کیے گئے ہین یعنی اللہ تعالٰے کی عبادت اور اسکی مخلوق سے نیکی اور اس دوسرے حصے مین بعض وہ لوگ جنکے ساتھ انسان کو نیکی کرنی چاہئے مخصوص کرکے بیان کیے گئے ہین تا انکی طرف زیادہ توجہ ہو۔ ان دونون احکام کو ایک ہی جگہ بیان کرنیسے یہ مقصود ہے کہ جیسا اللہ تعالٰے کی عبادت کرنا اور اسکا کوئی شریک نہ ٹھہرانا۔ اسلام لانیکے لیے ضروری ہے ویسا ہی مخلوق کے ساتھ نیکی کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ یہی دو شریعت کے بھاری اجزا ہین یعنی اللہ تعالٰے سے سچا تعلق پیدا کرنا اور اسکی مخلوق سے نیکی کرنا۔

پس جہان انجیل غلامونکے ساتھ نیک سلوک کرنیکے متعلق ایک لفظ بھی نہین کہتی۔ قرآن کریم اسے ایسا ضروری قرار دیتا ہے جیسا والدین سے نیکی کرنا کیونکہ ایک سے ہی الفاظ مین دونون احکام بیان کیے گئے ہین

یہ اس قدر صاف حکم غلامون سے نیکی کرنے کا ہے جس سے کوئی دشمن اسلام بھی انکار نہین کر سکتا چنانچہ ہیوز نے اپنی ڈکشنری آف اسلام مین اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "یہ بالکل صاف امر ہے کہ قرآن شریف اور احادیث مین غلامون کے ساتھ نیکی کرنے کی بڑے زور سے تاکید کی گئی ہے"۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ غلام کو قرآن کریم الفاظ ما ملکت ایمانکم سے ہی عموماً بیان فرماتا ہے جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سوائے ان لوگون کے جو کفار کے ساتھ لڑائیون مین مسلمانون کے ہاتھ لگتے تھے اور کوئی غلام نہین بنایا جا سکتا تھا مگر اس حصہ پر ہم بعد مین بحث کرینگے۔ اس آیت کے آخری الفاظ مین اسی حسن سلوک کے حکم کو پھر موکد کیا ہے یہ فرما کر کہ تمہارے تمام افعال کی غرض تو یہ ہونی چاہیئے کہ تم اپنے حقیقی آقا کے پیارے بن جاؤ لیکن یاد رکھو کہ تم خدا کے پیارے کبھی نہین بن سکتے جبتک تم دوسرے لوگون کے حقوق کی پوری نگہداشت نہ کروگے اور دوسرے لوگونکو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا نہ چھوڑوگے۔

اس کے علاوہ دینی اخوت کا سلسلہ جو اسلام نے قایم کیا وہ بجائے خود ایک زبردست محرک نیک سلوک کا تھا۔ آزاد عورتون اور غلامون کے درمیان اور آزاد مردون اور۔۔ لونڈیون کے درمیان نکاح جایز قرار دیے گئے۔ ایک مشرکہ آزاد عورت اور مسلمان لونڈی مین نکاح کے وقت ترجیح لونڈی کو دیگئی۔ اور ایک مشرک مرد اور مسلمان غلام مین ترجیح غلام کو دیگئی۔ بات بات پر غلامون کو آزاد کرنیکا حکم دیا گیا اور اسے بعض گناہون کا کفارہ قرار دیکر یہ سمجھایا گیا کہ غلامون کے ساتھ نیکی کرنا اور انکو آزاد کرنا اللہ تعالے کے نزدیک بہت ہی محبوب فعل ہے لونڈی اگر نکاح کے بعد فحش کی مرتکب ہو تو اس کی سزا آزاد عورت سے نصف رکھی گئی۔ غلامونکے نکاح کرنیکا خاص طور پر حکم دیا گیا۔ چنانچہ فرمایا۔ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (النور۔ رکوع ۴ آیت ۳۲) "اور تم مین سے جنکے ازواج نہین ان کے نکاح کردیا کرو اور اپنے غلامون اور لونڈیون مین سے جو نیک بخت ہون ان کے بھی نکاح کرو۔ اگر یہ لوگ محتاج ہونگے تو اللہ تعالے اپنے فضل سے انہین غنی کر دیگا"۔ قبل از اسلام جو بدیان عرب مین لونڈی غلامونکے معاملے مین تھین ان سب کو دور کیا گیا۔ منجملہ انکے ایک یہ بد رسم بھی تھی کہ لونڈیون سے بدکاری کرا کر اس مال سے فائدہ اٹھاتے جسکی خاص طور پر ممانعت قرآن شریف مین کیگئی ہے۔

یہ ہین قرآن شریف کے احکام۔ ان مین سب سے پہلے یہ امر دیکھنا چاہیئے کہ ان احکام سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین نے کیا سمجھا اور ان پر کیونکر عمل کیا۔ اس غرض کے لیے احادیث مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور آپ کے عمل کو سب سے پہلے دیکھنا چاہیئے۔ احادیث پر غور کرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ جو زور ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے غلامونکے ساتھ حسن سلوک کرنے پر دیا ہے اور جو خود اس حسن سلوک کا

نمونہ دکھایا ہے اس سے اگر موازنہ کیا جائے تو یہی کہنا پڑے گا کہ کسی دوسرے مصلح نے آپکے بالمقابل کچھ بھی نہین کیا سب سے پہلے مین صحیح بخاری کی احادیث کو بیان کرتا ہون اور پھر دوسری متفرق احادیث کو۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین۔ ان اخوانکم خولکم جعلہم اللہ تحت ایدیکم فمن کان اخوہ تحت یدہ فلیطعمہ مما یاکل ولیلبسہ مما یلبس ولا تکلفوہم ما یغلبہم فان کلفتموہم ما یغلبہم فاعینوہم۔ یعنی تمہارے بھائی ہی تمہارے خدمتگار ہین۔ اللہ نے انہین تمہارے نیچے رکھا ہے پس جس شخص کا بھائی اسکے ہاتھ کے نیچے ہو اسے چاہیئے کہ جو چیز آپ کھاتا ہے اسی مین سے اسے بھی کھلاوے اور جو پوشاک آپ پہنتا ہے اسی مین سے اسے بھی پہناوے اور انپر کوئی ایسا بوجھ نہ ڈالو جو انکی طاقت سے زیادہ ہو اور اگر انکی طاقت سے زیادہ کام انکو دو تو پھر انکو مدد بھی دو + بتاؤ کہ کونسا ایسا اور السنا نون کا ہمدرد پیدا ہوا ہے یا کونسا مصلح ہے جسنے ایسی کامل اخوت آقا اور غلام مین پیدا کی ہو جو صرف الفاظ تک ہی محدود نہین بلکہ عملی رنگ مین ہے کہ مالک اور مملوک کا ایک سا ہی لباس اور ایک سی خوراک ہو۔ یہی نہین بلکہ غلامونکی حالت بہت ہی قابل رشک معلوم ہوتی ہے۔ جب ہم آپکے یہ پیارے الفاظ پڑھتے ہین والذی نفسی بیدہ لولا الجہاد فی سبیل اللہ والحج وبرّ امّی لاحببت ان اموت وانا مملوک۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جسکے ہاتھ مین میری جان ہے کہ اگر اللہ کی راہ مین جہاد اور حج اور مان کے ساتھ نیکی نہ ہوتی تو مین پیار کرتا کہ غلامی کی حالت مین ہی مرون + پھر غلام محض حیوان کی طرح ایک گونگا کارکن نہین بلکہ وہ اپنے آقا کا سچا مشیر قرار دیا گیا ہے۔ قال اذا نصح العبد سیدہ واحسن عبادۃ ربہ کان لہ اجرہ مرتین۔ یعنی جو غلام اپنے آقا کو نیک صلاح دیتا ہے اور اپنے پروردگار کی عبادت عمدہ کرتا ہے اسکو دوہرا اجر ملتا ہے۔ غلامون لونڈیونکے ساتھ حسن سلوک صرف اسی حد تک محدود نہین رکھا گیا کہ ان سے کام لیا جائے اور انکے ساتھ نیکی کی جاوے بلکہ انکی عمدہ پرورش کے لیے بھی جناب سالتمآب علیہ الصلوۃ والسلام نے خاص طور پر ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ لونڈیونکے متعلق یہ ہدایت فرمائی۔ قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم ایما رجل کانت لہ جاریۃ ادبہا فاحسن تعلیمہا واعتقہا وتزوجہا فلہ اجران۔ فرمایا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کے پاس لونڈی ہو پھر وہ اسکی تادیب کرے یعنی اسے اعلے درجہ کے نیک اخلاق کی تربیت دے اور اسکو نہایت عمدہ تعلیم دے پھر اسکے بعد اسکو آزاد کرے اور اس سے نکاح کرے اسکے لیے دوہرا اجر ہے۔ اس حدیث کیطرف مین خصوصیت سے اُن کو تہ نظرونکو توجہ دلاتا ہون جو یہ کہا کرتے ہین کہ اسلام عورت کو جاہل رکھنا چاہتا ہے وہ غور کرین کہ آزاد عورتین تو ایک طرف رہین اسلام تو لونڈیون کے متعلق بھی یہ حکم دیتا ہے کہ انکو نہایت عمدہ تعلیم اور تربیت دیجاوے۔ اسی حدیث سے نہایت صفائی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا منشاء غلامون اور لونڈیون کو کس درجہ تک ترقی دینے کا ہے۔

بہت سی اور حدیثین ہین جن مین غلامونکے ساتھ حسن سلوک کے بارہ مین تاکید کیگئی ہے۔ ان مین سے

مشکوٰۃ کی بعض حدیثون کا ترجمہ لین صاحب نے اپنے ترجمہ الف لیلہ کے نوٹون مین دیا ہے! اور انہین کو ہیوز نے اپنی ڈکشنری آف اسلام مین نقل کیا ہے ان مین سے بعض کا اردو ترجمہ مین یہان دیتا ہون " اپنے غلامونکو اس کھانے مین سے کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور وہ لباس پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو اور انکو ایسا کام کرنیکو نہ دو جو انکی طاقت سے بڑھکر ہو " " جو شخص اپنے غلام کو بلا وجہ مارتا ہے یا اسکے منہ پہ مارتا ہے اسکا کفارہ یہ ہے کہ وہ اسے آزاد کرے " " جو شخص اپنے غلام سے سختی کرتا ہے وہ جنت مین داخل نہین ہوگا " جو شخص مان اور بیٹے مین جدائی پیدا کرتا ہے (یعنی لونڈی کو بیچکر) اللہ تعالے قیامت کے دن اسے اپنے دوستون سے جدا کریگا "

ان تمام احادیث سے نہایت صاف اور یقینی شہادت اس بات کی ملتی ہے کہ مذہب اسلام مین غلام کو غلام سمجھا ہی نہین گیا بلکہ اسکے کام کو الگ چھوڑکر جو اسکے سپرد کیا گیا ہے وہ ہر طرح سے اپنے مالک کے برابر سمجھا گیا ہے تیرہ سو سال گذر چکے مین جب پہلے ایک سچے ہمدرد بنی نوع انسان نے یہ ہدایتین جاری کین اور نہ صرف جاری کین بلکہ ان پر عمل کیا اور کرایا۔ مگر آج باوجود تیرہ سو سال کے گذر جانیکے اور باوجود بڑے بڑے ہمدردی کے دعوونکے کسی شخص مین اسقدر اخلاقی جرأت بھی نہین جو ان ہدایتون پر عمل کرنا تو ایک طرف رہا نوکرونکے متعلق اسی قسم کی ہدایتین دینے کی جرأت کرے۔ اب مین چند اور حدیثین نقل کرتا ہون تاکہ ناظرین کو معلوم ہو کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کسقدر تاکید بعد تاکید غلامون اور لونڈیون کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق کی ہے۔ ایک روایت مین آیا ہے کہ مرض الموت مین آپکے منہ مین یہ الفاظ تھے۔ اتقوا اللہ فی الصلوٰۃ و فی ما ملکت ایمانکم۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ ان دو چیزونکا خاص طور پر خیال رکھو یعنی قیام نماز اور غلامون لونڈیونکے ساتھ حسن سلوک۔ اس حدیث سے کیسی صفائی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپکے دل مین انسانونکے ساتھ اور خصوصاً اس جماعت کے ساتھ جسکو دنیا کی سب قومون نے ذلیل سمجھا اور ابتک ذلیل سمجھ رہی ہین یعنی ... غلام اور خادم کیسا سچی ہمدردی کا جوش تھا اور کسقدر انکی بہتری کا فکر آپکو تھا کہ اخیر وقت مین بھی یہی لفظ آپکے منہ سے نکلے۔ آپ کیا چاہتے تھے ایک اور سے پتہ لگتا ہے۔ فرمایا لقد اوصانی حبیبی جبرائیل بالرفق بالرقیق حتی ظننت ان الناس لا تستعبد و لا تستخدم میرے دوست جبرائیل نے غلامونکے ساتھ نرمی کا سلوک کرنیکے لیے مجھے اسقدر وصیت کی کہ مینے گمان کیا کہ آیندہ کوئی غلام .... نہین بنایا جانا چاہیے۔ جو لوگ ان صاف شہادتونکے ہوتے ہوئے بلا سوچے سمجھے اسلام پر یہ اعتراض کر دیتے ہین کہ غلامی شریعت اسلامی کا ایسا ضروری جزو ہے کہ اسکو جدا کرنیسے شریعت درہم برہم ہو جاتی ہے انکو کم سے کم یہ حدیث پڑھکر ضرور شرم کرنی چاہیئے کیونکہ اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی غلامونکے ساتھ نرمی کا اصل مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ غلامونکو آزاد کر دیا جاوے اور آیندہ غلام بنانیسے لوگونکو روکا جاوے ایک شخص کا ذکر ہے کہ ایکدفعہ آپکے پاس آیا اور آپسے پوچھا کہ مین کتنی مرتبہ اپنے غلام کو معاف کیا کرون آپنے منہ پھیر لیا

اور کوئی جواب اسکے سوال کا نہ دیا وہ دوسری دفعہ اور پھر تیسری دفعہ سامنے آیا اور یہی سوال دہرایا اور آنحضرت نے اسی طرح بغیر جواب دینے کے منہ پھیر لیا۔ چوتھی مرتبہ جب اسنے یہ سوال کیا تو آپنے فرمایا۔ اعف عن عبدک سبعین مرۃ فی کل یوم اذا اردت نوال الاجر والثواب۔ اگر تو اجر اور ثواب حاصل کرنا چاہتا ہے تو ہر روز ستر دفعہ اپنے غلام کو معاف کیا کر۔ مین پوچھتا ہون کہ کیا آج ان اقوام مین جو مہذب کہلاتی ہین ایک آدمی بھی ایسا ہے جو اپنے خدمتگار کو باوجود اسکے قصور کے ستر دفعہ معاف کر سکے مگر اسلام مین غلامون کے متعلق واقعی ایسا عملدرآمد ہوا۔ آپ کا دل یہ بھی گوارا نہ کر سکتا تھا کہ غلام کو غلام پکارا جاوے کیونکہ اس نام مین حقارت پائی جاتی تھی اور آپ پسند نہ کرتے تھے کہ کسی قسم کی بھی تحقیر انکی کیجاوے چنانچہ امام بخاری علیہ الرحمت نے یہ حدیث روایت کی ہے لایقل احدکم عبدی امتی ولیقل فتای وفتاتی وغلامی۔ چاہئے کہ تم یہ نہ کہو کہ اے میرے غلام یا اے میری لونڈی بلکہ یون کہو کہ اے میرے فتا یا اے میری فتاۃ یا اے میرے غلام (یہ لفظ ہر ایک جوانمرد اور جوان عورت پر بولے جاتے ہین۔ غلام کا لفظ بھی اسی طرح بولا جاتا ہے عربی مین غلام کا مفہوم عبد سے ادا ہوتا ہی) عبد اور امۃ کہنے سے اسلیے روکا کہ یہ الفاظ عموماً لونڈیون اور غلامون پر ہی بولے جاتے تھے اور وہ الفاظ جنکے بولنے کی ہدایت کی ہے وہ عام ہین۔ آزاد مردون اور عورتون پر بھی بولے جاتے ہین۔

اس کے بعد مین یہ بیان کرونگا کہ ان ہدایات پر عمل بھی کیا جاتا تھا یا نہین اور اگر کیا جاتا تھا تو کس حد تک۔ مگر قبل اسکے کہ مین عمل کی نظیرین پیش کرون ایک شبہ کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اگر غلامونکو اسقدر حقوق دیئے گئے تھے اور انکی اسقدر رعایت ضروری تھی جیسا کہ حدیثونسے پتہ لگتا ہے تو پھر مالک اور مملوک مین فرق ہی کیا تھا اسکا جواب خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث مین موجود ہے اور یہ حدیث بھی صحیح بخاری مین مذکور ہے چنانچہ فرمایا۔ کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ فالامیر الذی علی الناس راع وہو مسئول عنہم والرجل راع علی اہل بیتہ وہو مسئول عنہم والمرأۃ راعیۃ علی بیت بعلہا وولدہ وھی مسئولۃ عنہم والعبد راع علی مال سیدہ وہو مسئول عنہ۔ یعنی تم مین سے ہر ایک حاکم ہے اور اس سے اپنی رعیت کے متعلق سوال کیا جاوے گا پس امیر لوگون پر حاکم ہے اور اس سے ان لوگون کے متعلق پوچھا جائیگا اور آدمی اپنے گھر کے لوگون پر حاکم ہے اور اس سے انکے متعلق پوچھا جائیگا۔ اور عورت اپنے خاوند کے گھر پر اور اس کی اولاد پر حاکم ہے اور اس سے انکے متعلق پوچھا جائیگا۔ اور غلام اپنے آقا کے مال پر حاکم ہے اور اس سے اسکے متعلق پوچھا جاوے گا۔ اس حدیث کے روسے ہر ایک شخص کے سپرد جدا جدا کام ہے اور ایک رنگ مین ایک شخص حاکم ہے اور دوسرے رنگ مین وہی محکوم ہے۔ اسلام ایسی مساوات کی تعلیم نہین دیتا جس سے چھوٹون بڑون کا امتیاز ہی اٹھ جاوے اور دنیا کے کاروبار بند ہو جاوین بلکہ ایک ایسی اخوت قایم کرتا ہے کہ

کام بھی سب کے الگ الگ رہین اور سوسائیٹی مین بڑے بھی ہون اور چھوٹے بھی مگر اسکے ساتھ ہی ان مین انسان اور بھائی بھائی ہونیکی حیثیت سے ایک مساوات بھی ہو۔ نہ ہی کام مقرر کرنیسے اسلام کی پاک تعلیم کا یہ منشا ہے کہ آقا غلام کے کام کو ذلیل سمجھکر اسے ہاتھ نہ لگاوے اور آقا کا کام غلام کی عزت سے بڑھکر سمجھا جاوے بلکہ یہ بھی حکم ہے کہ ضرورت کے وقت آقا غلام کے کام مین اسکی مدد کرے اور جو فوائد آقا اٹھاتا ہے غلام کو انسے محروم نہ رکھا جاوے ہان آقا کو یہ چاہیئے کہ وہ اپنے غلام سے نیکی اور احسان کرے اور غلام کا فرض ہے کہ وہ اپنے آقا کی سچے دل سے فرمانبرداری کرے وہ اپنے اپنے مفوضہ کامونکو بجالاوین۔ باقی امور مین وہ مساوی ہین۔

اب مین چند مثالین بیان کرتا ہون۔ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نہ صرف معلم ہی تھے بلکہ ہر بات مین خود ایک پاک نمونہ بھی تھے یہی وجہ تھی کہ آپکی تعلیم کا وہ زبردست اثر آپکے صحابہ اور مسلمانو نپر ہوا۔ یہ جو آپنے فرمایا تھا کہ میرے دوست جبرائیل نے یہانتک غلامونکے ساتھ مجھے حسن سلوک کی تاکید کی ہے کہ میرا گمان ہوا کہ غلام بنانا ہی نہ چاہیئے یہ واقعی آپکے دل کی سچی خواہش اور تڑپ تھی۔ اور یہی آپکی غلامونکے ساتھ نیکی کی تعلیم کا اصل مقصد تھا اور آپ تدریجاً دنیا کو اسیطرف مائل کر رہے تھے۔ چنانچہ ان سب باتونکا ثبوت آپکے اپنے عمل سے ملتا ہے کہ آپنے کبھی کوئی غلام نہین رکھا بلکہ جونہی کبھی کوئی غلام آپکے ملک مین آیا تو آپنے اسے فوراً آزاد کر دیا۔ اس سے زیادہ واضح ثبوت آپکی دلی خواہش کا اور کیا ملسکتا ہے۔ مگر اس مضمون پر یہ بحث کا موقعہ نہین۔ غلام تو آپ سب آزاد کرتے رہے ہان آپ کے خادم تھے اور چودہ یا پندرہ آدمیونکے نام لیے گئے ہین جنہون نے وقتاً فوقتاً آپ کی خدمت کا شرف حاصل کیا۔ علاوہ انکے آپکے صحابہ اور متبعین مین سے ہر ایک شخص اسے اپنے لیے باعث فخر و عزت سمجھتا کہ کوئی کام آپ اسے فرمائین۔ پھر آپکی پوزیشن دنیاوی لحاظ سے بھی اعلے درجہ کی تھی۔ مدینہ مین آپ گویا ایک چھوٹی سی جمہوری سلطنت کے اعلیٰ افسر تھے اور پھر بعد مین آپ کل عرب کے شہنشاہ ہوگئے۔ مگر باوجود ان سب باتونکے آپ خود اپنے کپڑے مرمت کر لیتے۔ بکریونکو دوہ لیتے اور اپنی بیویونکو گھر کے کام کاج مین مدد دیتے تھے۔ جب کھانا کھانے بیٹھتے تو آپ ایک خادم کی طرح بیٹھتے۔ اور دوسرونکا کام کرنیکے لیے ہمیشہ اٹھنے کو تیار رہتے سوار ہوتے تو کسی اور کو اپنے پیچھے بٹھا لیتے۔ حضرت انس نے آپکے خادمونکے ساتھ نیکی کے کئی واقعات بیان کیے ہین۔ چنانچہ وہ فرماتے ہین کہ مین دس سال تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کیخدمت کرتا رہا اس عرصہ مین کبھی آپنے مجھکو اف تک نہین کہا۔ جب مینے کوئی کام کیا تو مجھے یہ نہین کہا کہ یہ کام تمنے کیون کیا اور اگر کوئی کام نہین کیا تو یہ نہین کہا کہ یہ کیون نہین کیا۔ اور آپکا سلوک تمام دنیا سے بڑھکر اچھا تھا۔ حضرت عایشہ رضی اللہ تعالے عنہا فرماتی ہین کہ آنحضرت صلعم نے کبھی کسی خادم کو یا کسی عورت کو نہین مارا +

آپ کے صادق محب اور مخلص بھی آپ کے نقش قدم پر ہی چلتے تھے ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ نے اسیران جنگ مین سے ایک اسیر ایک صحابی ابوالہیثم رضی اللہ تعالے عنہ کو بطور غلام کے دیا اور اسے نصیحت کی کہ اس سے نیک سلوک کرے۔ ابوالہیثم اس غلام کو لیکر گھر گیا اور اپنی بی بی کو کہا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ غلام دیا ہے اور ساتھ یہ وصیت کی ہے کہ اس سے حسن سلوک کرنا۔ بی بی نے کہا کہ اس نصیحت پر تم پورا عمل کیونکر کر سکتے ہو سوائے اسکے کہ غلام کو آزاد کردو۔ چنانچہ ابوالہیثم نے وہ غلام اسیوقت آزاد کر دیا

زنباع نے اپنے ایک غلام کو ایک لونڈی کے ساتھ پایا اور اسکا ناک کاٹ ڈالا غلام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا آپ نے پوچھا کہ کسنے تیرا یہ حال کیا ہے غلام نے کہا زنباع نے۔ چنانچہ اسیوقت زنباع کو طلب کیا گیا اسنے جو دیکھا تھا بیان کیا۔ آنحضرت نے غلام کو فرمایا کہ جا تو آزاد ہے پھر غلام نے کہا یا رسول اللہ مین کس کا مولی کہلاؤنگا۔ (یعنی میرا معاون اور مددگار کون ہوگا) آپنے فرمایا خدا اور اسکے رسول کا مولی۔ چنانچہ اسی وعدے کے مطابق آپ جبتک جیتے رہے اسکی مدد کرتے رہے آپکی وفات کے بعد وہ حضرت ابوبکر کے پاس آیا اور وہ واقعہ آپکو یاد دلایا اسپر حضرت ابوبکر رض نے اسکے اور اسکے عیال کیلیے گذارہ مقرر کر دیا۔ حضرت ابوبکر رض کی وفات کے بعد وہ حضرت عمر رض کے پاس حاضر ہوا آپنے پوچھا تو کہان جانا چاہتا ہے عرض کیا مصر مین اسپر حضرت عمر نے حاکم مصر کے نام حکم لکھدیا کہ اسکو اسکے گذارہ کیلیے زمین دیدو۔ سبحان اللہ کیسا پاک وعدہ تھا اور کیسا پاک ایفا اسکا ہوا +

ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے ہین کہ مین ایکدفعہ اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ ناگہان مینے اپنے پیچھے سے یہ آواز سنی۔ ابومسعود یاد رکھو کہ جسقدر طاقتور حاکم تم اسپر ہو اس سے زیادہ طاقتور حاکم خدا تمپر ہے۔ ابومسعود فرماتے ہین جب مینے پیچھے پھر کر دیکھا تو آنحضرت صلعم تھے مینے عرض کیا یا رسول اللہ مینے اسیوقت اسکو خدا کیلیے آزاد کر دیا آپنے فرمایا اگر تم اسے آزاد نکرتے تو تم آگ مین پڑتے +

حضرت ابوہریرہ رض کے متعلق روایت ہے کہ آپنے ایکدفعہ دیکھا کہ ایک آدمی سوار ہے اور اس کا غلام اسکے پیچھے پیچھے بھاگ رہا ہے آپنے فرمایا اسے اپنے پیچھے بٹھا لو کیونکہ یہ تمہارا بھائی ہے اور اس کی روح بھی تمہاری روح کی طرح ہے۔

معرور کہتے ہین مینے ابوذر رض کو دیکھا کہ ایک نیا عمدہ لباس پہنا ہوا ہے اور آپکے غلام نے بھی ویسا ہی نیا اور عمدہ لباس پہنا ہوا ہے۔ مینے پوچھا تو فرمایا کہ ایک دفعہ مینے ایک آدمی (اس سے مراد آپکا غلام ہے) کو گالیان نکالین اسنے میری شکایت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس کی آپنے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تمنے اسکی مان پر عیب لگایا اور پھر فرمایا کہ تمہارے غلام اور نوکر چاکر تمہارے بھائی ہین پس جس شخص کا بھائی

اسکے ہاتھ کے نیچے ہواسے چاہیئے کہ اپنے کھانے سے اسے کھلاوے اور اپنے لباس سے کپڑا پہناوے۔ تم اپنے غلامونکو ایسا کام نہ دو جو انکی طاقت سے زیادہ ہو اور اگر دو تو پھر اسکے کرنے مین خود مدد دو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ پیارا قول نقل کیا گیا ہے کہ مین شرمندہ ہوتا ہون۔ جب مین ایسے آدمی کو غلام بنا کر رکھتا ہون جو کہتا ہے کہ اللہ میرا رب ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ آپنے ایک غلام کی نافرمانی کیوجہ سے اسکے کان مروڑا۔ اور پھر اپنے فعل سے توبہ کی اور اسی غلام کو کہا کہ تو بھی اسی طرح میرا کان مروڑ۔ مگر اسنے انکار کیا۔ آپنے اصرار کیا تو اسنے آہستہ آہستہ کان مروڑنا شروع کیا آپنے کہا زور سے مروڑو کیونکہ مین قیامت کے دن کی سزا برداشت نہین کر سکتا۔ غلام نے جواب دیا اے میرے آقا جس دن سے تو ڈرتا ہے اسی دن سے مین بھی ڈرتا ہون۔

حضرت زین العابدین کا ذکر ہے کہ ایکدفعہ انکے ایک غلام نے بھیڑ کو پکڑتے ہوئے اسکی ایک ٹانگ توڑ دی انہون نے کہا کہ تو نے کیون ایسا کیا کہا آپکو غصہ دلانیکے لیے آپ نے فرمایا جس نے تجھے یہ تعلیم دی مین اسے غصہ دلاؤنگا۔ یعنی شیطان کو جا اور تو خدا کے لیے آزاد ہے۔

غلامون یا آزاد کردہ غلامونکو بڑے بڑے عہدے دیئے جاتے تھے اسامہ کو جو حضرت زید کے بیٹے تھے خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک فوج کا افسر بنایا۔ قبل اس کے کہ یہ فوج روانہ ہو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو لوگون نے کہا کہ آپ کسی اور بڑے آدمی کو افسر بنائین مگر آپ بہت ناراض ہوئے کہ جو کام میرے پیارے محبوب اور آقا نے کیا ہے مین اسے منسوخ کرون۔ جب فوج کی روانگی کا وقت آیا تو آپ اسامہ کے ساتھ ساتھ پیدل روانہ ہوئے اور وہ سوار تھے انہون نے عرض کی کہ اے خلیفہ رسول اللہ یا آپ بھی سوار ہو جاوین اور یا مجھے اجازت دین کہ مین بھی پیدل چلون مگر آپنے نہ مانا اور کچھ دیر تک نصیحت کرتے ہوئے اسی طرح ساتھ گئے۔ جب حضرت عمرو نے مصر کی فتح کا ارادہ کیا تو اول صلح کا پیغام دیکر ایک جماعت حاکم مصر کے پاس بھیجی جسکا سردار عبادہ رض کو قرار دیا جو حبشی تھے اور حبشی اس زمانے مین بطور غلامونکے فروخت ہوتے تھے جب یہ جماعت حاکم مصر کے سامنے آئی تو اس نے کہا کہ اس حبشی کو باہر نکالدو۔ انہون نے کہا یہی تو ہمارا سردار ہے اور جو کچھ یہ کہیگا یا کریگا اسیکے ہم پابند ہین۔ مقوقس حیران ہوا اور پوچھا تمنے ایک حبشی کو اپنا سردار کیونکر بنا لیا انہون نے کہا سرداری ہمارے درمیان قومیت یا رنگ پر نہین بلکہ فضیلت پر ہے سو یہ ہم سب مین سے افضل الرائے ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ جیسے عظیم الشان بادشاہ کا جو سلوک اپنے غلامونسے تھا وہ ظاہر کرتا ہے

کہ غلامون کی ابتدائی اسلامی سوسائیٹی مین کیا حیثیت تھی اور وہ لوگ کس طرح پر اپنے پیارے بنی کے لفظون پر عمل کرتے تھے۔ جب حضرت ابو عبیدہؓ نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا اور شہر کے لوگ تنگ آگئے تو انہون نے اس شرط پر شہر حوالہ کر دینے کا وعدہ کیا کہ خود حضرت عمرؓ آکر شرائط صلح طے کرین۔ ابو عبیدہؓ نے امیر المومنین کو لکھا تو آپ فی الفور روانہ ہوگئے۔ آپکے ساتھ آپکا غلام بھی تھا مگر سواری کیلیے اونٹ صرف ایک ہی تھا اسلیئے خلیفہ اور غلام باری باری اسپر چڑھتے اور جس کی باری نہ ہوتی وہ پیدل ہمراہ دوڑتا۔ جب آپ ابو عبیدہ کے ڈیرے کے قریب پہنچے تو اتفاقاً غلام کی باری سواری کی آگئی۔ آپ اتر کھڑے ہوئے اور غلام کو سوار کیا اور آپ پیدل ہمراہ بھاگتے تھے اور تمام نظرین آپکی طرف لگی ہوئی تھین۔ ابو عبیدہ نے اس بات سے ڈر کر کہ امیر المومنین کو اس طرح پیدل بھاگتا ہوا دیکھ کر یروشلم کے اہالی پر برا اثر نہ ہو اور مبادا جنگ رخ پلٹ دے عرض کیا کہ تمام نظرین آپکی طرف لگی ہوئی ہین اس صورت مین یہ مناسب نہین کہ آپ کا غلام تو سوار ہو اور آپ نوکرونکی طرح ساتھ ساتھ بھاگین۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ اس بات کو سن کر غضب مین آئے اور فرمایا کہ تجھ سے پہلے ایسا مجھے کسینے نہین کہا اور یہ تیری بات مسلمانون پر لعنت لانیوالی ہے ہم سب لوگونسے زیادہ ذلیل اور حقیر اور سب سے تھوڑے تھے۔ خدانے اسلام کے ذریعے ہمین بڑائی اور عزت دی۔ اور اگر ہم ان راہون سے الگ چلکر عزت تلاش کرینگے جو راہین اسلام نے ہمین سکھائی ہین تو پھر خدا ہمین ذلیل کریگا۔ جس سے آپ کا یہ مطلب تھا کہ اسلام نے تو یہ تعلیم دی ہے کہ تم اپنی عزت اسی مین سمجھو کہ اپنے غلامونکو اپنے برابر رکھو۔ اگر ہم اس مساوات مین اپنی ذلت سمجھنے لگین گے تو پھر خدا ہمین ذلیل کریگا کیونکہ اسکی بتائی ہوئی راہ کو ہم چھوڑینگے مین پوچھتا ہون کہ آیا آج بھی دنیا مین کوئی ایسا فاتح موجود ہے۔ یا کوئی چھوٹی سی چھوٹی ریاست کا حکمران ایسا موجود ہے یا کوئی شخص جو کسی بڑے عہدے پر ممتاز ہوا ایسا ہے کہ وہ اخلاقی جرات دکھا سکے جو حضرت عمر نے دکھائی یا نیک سلوک کا وہ نمونہ دکھا سکے جو ایک بڑے شہنشاہ نے دکھایا۔ کیا حضرت عمر اس امر سے ناواقف تھے کہ ایک نئے فتح ہوئے ہوئے ملک پر رعب کا قایم رکھنا کسقدر ضروری ہے۔ نہین وہ خوب سمجھتے تھے بلکہ جیسا وہ ان معاملات کو سمجھتے تھے ایسا کوئی نہ سمجھتا تھا۔ مگر اسلام کے احکام کی سچی عظمت انکے دل مین تھی وہ صدق دل سے جانتے تھے کہ ہر ایک عزت اور شوکت انہین راہونپر چلنے سے ملے گی اور اگر پچھلے زمانے مین مسلمانون نے غلامون اور نوکرونکے ساتھ اس طریق برتاؤ کو چھوڑ دیا تو یہ وہی بات ہے جو حضرت عمر نے کہی تھی انہون نے اسلامی راہون کو چھوڑ کر اور راہونسے عزت تلاش کی پس وہ عزت کو کھو بیٹھے۔ اب بھی جو مسلمان غیر مسلمان اقوام کے نقش قدم پر چلکر دنیا مین معزز بننا چاہتے ہین اور اسلام کی راہونکو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہین انہین یہی بات یاد رکھنی چاہیئے +

مگر باوجود ان غلطیونکے جن مین مسلمان پڑ گئے ہین اور مرور زمانہ سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے دور جا پڑے ہین یہ امر قابل غور ہے کہ آپکی نیک تعلیم ایسی انکے خونونکے اندر رچ گئی یا یون کہو کہ آپ کی قوت قدسی ایسی اپنر غالب آئی کہ اب بھی مسلمانون کا سلوک اپنے نوکرون اور غلامون سے غیر اقوام کے سلوک کی نسبت بدرجہا بہتر ہے اور یہ تسکر کا مقام ہے کہ ہمین اس کا ثبوت دینے کی کوئی ضرورت نہین خود عیسائیون نے اسکو تسلیم کر لیا ہے۔ لین الف لیلہ کے انگریزی ترجمہ کے نوٹون مین لکھتا ہے اور یہ وہ شخص ہے جو مدتون مصر مین رہا اور مسلمانون کے حالات کو غور کی نظر سے دیکھتا رہا وہ کہتا ہے کہ مسلمانون مین غلامون کے ساتھ عموماً نیک سلوک کیا جاتا ہے دوسرے ممالک کی نسبت وہ لکھتا ہے کہ جن سیاحون نے دوسرے اسلامی ممالک مین سفر کیا ہے ان کی شہادت مسلمانون کی اپنے غلامونکے ساتھ حسن سلوک کے متعلق بہت ہی قابل اطمینان ہے اور پھر لکھتا ہے کہ قرآن شریف اور احادیث مین جو ہدایتین غلامونکے ساتھ حسن سلوک کے متعلق ہین عموماً ان سب پر یا انکے زیادہ حصہ پر مسلمان لوگ عمل کرتے ہین جس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسلام کی تعلیم غلامونسے حسن سلوک کے متعلق عیسائیونکے گال کے طمانچہ کی تعلیم کیطرح نہین کہ سراہنے سراہتے ہزار ہا کاغذ سیاہ کر دین اور جب عمل دیکھین تو ایک بھی عامل دنیا مین نظر نہ آئے۔ یہ تو ایک غیر متعصب عیسائی ہے مگر پادری ہیو کو بھی یہ امر تسلیم کرنا پڑا ہے جیسا کہ وہ لکھتا ہے کہ "مسلمان ممالک مین غلامونکے ساتھ سلوک بہت اچھا ہے۔ بمقابلہ اس سلوک کے جو امریکہ مین کیا جاتا ہے جہان غلامی کا رواج عیسائی اقوام کے نیچے رہا"

مگر پادری صاحب پیرودن کو کیون ملزم کرتے ہین جب انکے مرشد کی تعلیم مین ایک لفظ بھی غلامونکے ساتھ حسن سلوک کے متعلق نہین پایا جاتا۔ ایسا ہی انسکلوپیڈیا ببلکا مین ایک عیسائی مضمون نویس مسلمانون کے درمیان غلامی کے رواج پر لکھتا ہوا کہتا ہے "مشرقی اسلامی ممالک کی غلامی عموماً کھیت مین مزدورونکی طرح کام کرنیکی غلامی نہین بلکہ گھر کے کاروبار کے متعلق ہے۔ غلام کو خاندان کے ایک ممبر کیطرح سمجھا جاتا ہے اور اسکے ساتھ محبت اور نرمی سے سلوک کیا جاتا ہے۔ قرآن شریف غلامونکے ساتھ نرمی اور مہربانی سے سلوک کرنیکی روح پھونکتا ہے اور غلام آزاد کرنیکی ترغیب دیتا ہے"

اب اس اسلامی تعلیم اور ان واقعات تفقیی کو پیش کرنیکے بعد مین اپنے منصف مزاج ناظرین سے یہ سوال کرتا ہون کہ یہ غلامی جسکے رواج کو ایک حد تک اسلام نے یک لخت روک نہین دیا کیا یہ ایسی غلامی ہے کہ اس لفظ کے معمولی مفہوم کے رو سے جو دنیا مین سمجھا جاتا ہے اسکو غلامی کہہ سکین۔ نہین بلکہ جیسا کہ آجکل کے نوکرونکے ساتھ سلوک دیکھا جاتا ہے۔ مین سمجھتا ہون کہ اسوقت دنیا مین جس قدر لوگ خادم کے نام سے موسوم ہین وہ ایک اسلامی غلام پر رشک کرینگے اور اس خادمی کیجاتے سے اُس غلامی کی

حالت کو بدرجہا بہتر سمجھینگے۔ غلامی کے عام مفہوم کے رو سے تو یہ کہنا بھی جایز نہین کہ ایک حد تک اسلام نے غلامی کی اجازت دی کیونکہ ہر ایک بدی جو اس سے پیدا ہوتی تھی اسلام کی تعلیم نے اس بدی کو جڑ سے کاٹ دیا۔ جو اپنے آقا کے برابر ہے اسکو غلام کیون کہا جائیگا۔ اور یہ مساوات اور خاندان کے ایک ممبر کیطرح ہونا صرف لفظ ہی لفظ نہ تھے۔ بلکہ عمل سے ہی یہ دونون باتین ظاہر ہوتی تھین جو کھانا آقا کھائے وہی غلام کھائے جو لباس مالک پہنے وہی مملوک پہنے جہان وہ رہے اسی جگہ غلام بھی رہے۔ طاقت سے زیادہ کام نہ دینا کبھی سختی سے اسے مخاطب نہ کرنا اور نہ ہی مارنا اس سے بڑھکر کونسی اصلاح کی دنیا خواہشمند ہوسکتی تھی یہ زمانہ لفظ پرست ہے اور بجائے مغز کے چھلکے پر خوش ہوجاتا ہے۔ نام کو تو غلامی موقوف کردیگئی مگر افسوس ہے کہ غلامی کی حقیقت ابھی تک مہذب ممالک مین اسی طرح موجود ہے۔ عنقریب دنیا دیکھ لیگی کہ جبتک خادمون کے ساتھ وہ رفق اور نیکی کا طریق نہ برتا جائیگا جسکی تعلیم تیرہ سو سال ہوئے ایک انسانونکے سچے ہمدرد اور خدا کے برگزیدون مین سے سب سے بڑے برگزیدہ نے دی تھی تب تک غلامونکی موقوفی لفظی موقوفی ہے اور حقیقتاً اس سے وہ اصلاح نہین ہوئی جو دنیا کی اخلاقی ترقی کے لیے ضروری ہے۔ اسلام کی تعلیم ہی وہ عملی تعلیم ہے جس پر دنیا چل سکتی ہے۔ اور جسپر چلکر انسان انسانونکے لیے مفید اور خدا کا سچا بندہ بن سکتا ہے + (باقی آیندہ)

اسلام (۲)

بجواب پادری سیلؔ

یہ عجیب بات ہے کہ سیل جیسا مشہور پادری اسلام کا مشہور دشمن قرآن کریم سے اسقدر بیخبر ہو حالانکہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات لکھتے وقت اس بات کا اعتراف بھی کرتا ہے کہ "آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سب سے عمدہ سوانح عمری قرآن شریف ہے"۔ اسی بات کو میور نے بھی اپنی کتاب مین تسلیم کیا ہے کہ آنحضرت کے واقعات زندگی کی کنجی قرآن شریف ہی ہے۔ مگر اگر یہ لوگ قرآن کریم کو کچھ بھی تدبر سے اور

تعصب سے الگ ہوکر پڑھتے تو ایسے بیجا اعتراض انکی قلموں سے کبھی نہ نکلتے۔ مثلاً سیل صاحب مسلمان مورخین کو اس بات کا الزام دیتے ہین کہ انہوں نے یونہی اس پاک تبدیلی کی عظمت کو بڑھانیکے لیے جو آپ کے وجود مقدس کے ذریعہ سے عرب مین ہوئی زمانہ قبل بعثت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام ایام جاہلیت رکھدیا ہے۔ اس بے سمجھ کو اتنی خبر نہین کہ یہ خیال مسلمان مورخین کو نہین سوجھا بلکہ یہ تو وہ دعوے ہے جو قرآن شریف نے نہایت پر زور الفاظ مین کیا ہے۔ یعنی یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اسوقت تشریف لائے جب عرب پر سخت جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی اور پھر اسوقت اس دنیا سے اللہ تعالے کیطرف اٹھائے گئے جب ایک کامل اور لانظیر تبدیلی ظہور مین آچکی تھی۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی اس دلیل پر خدا کے پاک کلام نے بہت زور دیا ہے اور اس بات کو بار بار بیان کیا ہے کہ آپ کے آنیسے پہلے عرب سخت جہالت اور تاریکی اور غلطیون اور مردگی کی حالت مین پڑے ہوئے تھے چنانچہ قرآن شریف مین بکثرت ایسی آیات موجود ہین جن مین کفار عرب کو جاہل وغیرہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور اس سے بھی بڑھکر یہ کہ جس بات سے سیل انکار کرتا ہے اسکو خود قرآن شریف نے ایک دفعہ نہ دو دفعہ بلکہ کم از کم تین دفعہ بیان فرمایا ہے۔ یعنی زمانہ قبل بعثت نبوی کا نام ایام جاہلیت رکھا ہے چنانچہ سورہ مائدہ کے ساتوین رکوع مین فرماتا ہے۔ افحکم الجاہلیۃ یبغون۔ یعنی کیا یہ لوگ اسوقت مین زمانہ جاہلیت کا حکم چاہتے ہین۔ پھر سورہ احزاب رکوع ۴ مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو مخاطب کرکے فرماتا ہے۔ ولا تبرجن تبرج الجاہلیۃ الاولی۔ یعنی اگلے زمانہ جاہلیت کے بناؤ سنگار دکھاتی نہ پھرو۔ پھر سورہ فتح رکوع ۳ مین فرماتا ہے۔ اذ جعل الذین کفروا فی قلوبہم الحمیۃ حمیۃ الجاہلیۃ۔ یعنی جب کافرون نے اپنے دلون مین ضد ٹھان لی اور ضد بھی ایام جاہلیت کی سی ضد۔ پس ان تمام موقعوں سے بصراحت تمام یہ ثابت ہے کہ زمانہ قبل بعثت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام خود قرآن شریف نے ہی ایام جاہلیت رکھا ہے

انکے علاوہ دوسری آیات قرآن شریف سے ثابت ہے کہ کس طرح کفار کو انکی غلطیون اور جہالتون اور فاسد عقیدون اور بدکاریونکے سبب سے قرآن کریم نے ملزم کیا ہے چنانچہ سورہ جمعہ کے ابتدا مین اللہ تعالے مومنوں پر اپنے احسان جتاتا ہوا یون بیان فرماتا ہے۔ ہو الذی بعث فی الامیین رسولا منہم یتلوا علیہم آیتہ ویزکیہم و یعلمہم الکتب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین۔ ترجمہ "وہی خدا ہے جسنے (عرب کے) جاہلون مین ان ہی مین سے رسول بناکر بھیجا کہ وہ انکو خدا کی آئتین پڑھ پڑھ کر سناتے اور انکو (ہر ایک قسم کی گندگی اور آلایش سے) پاک کرتے اور انکو کتاب (الہی) پڑھاتے اور حکمت کی باتین سکھاتے۔ ورنہ اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح غلطیون اور گمراہی مین مبتلا تھے" مشرکین عرب کی یہ حالت بیان فرماکر پھر آگے اہل کتاب کی حالت یون بیان فرمائی ہے۔ مثل الذین حملوا التوراۃ ثم لم یحملوہا کمثل الحمار یحمل اسفاراً۔ یعنے جن لوگون پر تورات لادی گئی۔ پھر

انہون نے اسکو نہ اٹھایا یعنی اسپر کاربند نہ ہوئے انکی مثال گدھے کی مثال ہے جسپر کتابین لدی ہین"۔ عیسائی بھی اس سے باہر نہین کیونکہ توراۃ کی اشاعت تو وہ یہودیونسے بدرجہا بڑھکر کرتے ہین مگر عمل اسکے ایک لفظ پر بھی نہین حالانکہ یہود کچھ تو عمل کرتے ہین۔ اسی آیت سے اسوقت کے اہل کتاب کیحالت ظاہر ہوتی ہے۔ پھر بہت سی اور آیات مین عرب کی پہلی حالت کو چارپایونکی حالت سے مشابہت دیگئی ہے جیساکہ سورہ الاعراف رکوع ۲۲ مین اولٰئک کالانعام بل ہم اضل۔ یعنی یہ لوگ چارپایونکی مثل ہین بلکہ انسے بھی گئے گذرے ہوئے۔ اور سورہ فرقان رکوع ۴ مین۔ ان ہم الا کالانعام بل ہم اضل سبیلا۔ جسکے معنے وہی ہین جو اوپر کی آیت کے مذکور ہوئے۔ اگر قرآن شریف عرب کی اس وحشیانہ حالت کو بیان نہ فرماتا اور مسلمان مورخین خود اپنی طرف سے یہ باتین لکھدیتے تو انکی صحت بھی بیشک بغیر قوی دلایل کے قبول کرنیکے لایق نہ ہوتی۔ مگر قرآن شریف نے یہ باتین ان لوگونکے مُنہ پر کہین۔ جنکی حالت کو بیان کیا ہے اور انکی اشاعت اسیوقت مین عام طور پر ہوچکی تھی۔ اگرچہ آج ان مشرکین کے وکیل سیل صاحب انکی طرف سے یہ جواب دیتے ہین کہ عرب درحصل جاہل اور وحشی نہ تھے۔ مگر خود ان ملزمون نے قرآن شریف کے بار بار کے دعوونکے جواب مین کبھی یہ بیان نہین دیا۔ انکا جواب صرف یہی تھا جو قرآن شریف نے صحیح طور پر بیان بھی کردیا ہے۔ نتبع ما الفینا علیہ اباءنا۔ کہ ہم تو اسی طریق پر چلتے ہین جسپر چلتے ہوئے ہمنے اپنے بڑونکو دیکھا ہے جسکے ساتھ ہی انکو انکی غلطی پر متنبہ کرنیکے لیے یہ بھی بیان فرمادیا گیا ہے۔۔ اولو کان اباءہم لایعقلون شیئاً ولا یہتدون۔ یعنی اگرچہ انکے بڑے بالکل جاہل تھے اور راہ راست پر نہ چلتے تھے قرآن شریف نہ صرف عرب کی حالت کو ہی ایسی گری ہوئی بیان کرتا ہے بلکہ اسکا دعوے یہ ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کل زمین ہی مردہ ہوچکی تھی۔ اور روئے زمین کی تمام قومین بگڑ چکی تھین۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ اعلموا ان اللہ یحیی الارض بعد موتہا۔ جان لو کہ کل زمین مردہ ہوچکی تھی اور اب خدا اسے از سرنو زندہ کریگا۔ دوسری جگہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے زمانے کو رات سے مشابہت دیگئی ہے۔ اور آپ کے زمانیکو دن کہا گیا ہے۔ اسیوجہ سے کہ آپ سے پہلے جہالت کی سخت تاریکی دنیا پر چھائی ہوئی تھی اور آپکے آنیسے وہ ظلمت دور ہوگئی۔ اور نور کا غلبہ ہوگیا۔ پھر ایک جگہ یہ بھی فرماتا ہے کہ ظہر الفساد فی البر والبحر۔ یعنی روئے زمین پر ایک عام فساد پھیل گیا۔ کیا خشکی مین اور کیا سمندر مین۔ ان تمام آیات سے کھلا کھلا ثبوت ملتا ہے کہ قرآن شریف نے ابتدا مین ہی یہ دعوے کیا تھا کہ میرا نازل ہونا ایک ایسے وقت مین ہے جب چارونطرف بدکاری اور جہالت کی گھنگھور گھٹائین چھا گئی ہین۔ اور نہ صرف قرآن کریم مین اسکا مذکور ہونا اسکی صحت پر دلالت کرتا ہے بلکہ تاریخ بھی اسپر شاہد ہے۔ بعض عیسائی صاحبان کا یہ عذر ہے کہ بیشک دنیا کی حالت تو ایسی ہی ابتر تھی مگر عیسائی مذہب اس سے مستثنیٰ تھا۔ یہ خود انکی اپنی ناواقفیت ہے۔ عیسائی مذہب مین فساد اور بدکاری دوسری

صدی عیسائی سے ہی شروع ہوگئی تھی اور پھر جون جون کلیسیا کی ظاہری شان وشوکت بڑھتی گئی اسکی اندرونی پاکیزگی گھٹتی گئی یہانتک کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اسکی حالت پورے طور پر خراب ہو چکی تھی۔ اس سے بہت مدت پہلے عیسائیت کیحالت یہ تھی کہ اسکے اپنے فرقے ایکدوسرے کے خلاف اس سے زیادہ تندی اور وحشیانہ جوش دکھاتے تھے جیسا کہ ایک وحشی انسان کے بالمقابل دکھاتا ہے اور ایک بشپ لکھتا ہے کہ اندرونی فسادونکے سبب سے آسمانی سلطنت پوری ابتری بلکہ عین دوزخ کا نمونہ ہو رہی تھی۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اسوقت تشریف لائے جب دنیا ایک مصلح کی سخت محتاج تھی یہ آپکی صداقت پر ایک بڑی بھاری دلیل ہے اور قرآن شریف نے بھی اسکو مذکور فرمایا ہے۔ چنانچہ سورہ ال عمران کے ابتدا مین ہی فرماتا ہے۔ الم اللہ لا الہ الا ہو الحی القیوم نزل علیک الکتب بالحق۔ یعنی اللہ وہ خدا ہے جسکے سوا کوئی معبود نہین وہ خود زندہ اور اسکے وجود سے ہر ایک شے زندہ ہے وہ اپنی ذات مین بغیر کسی دوسرے کے سہارے کے قایم اور اس سے ہر ایک شے قایم ہے اسنے تجھ پر حق اور ضرورت حقہ کے ساتھ یہ کتاب اتاری ہے ایسا ہی دوسری جگہ فرمایا۔ وبالحق انزلناہ وبالحق نزل ہمنے حق کے ساتھ اس کتاب کو اتارا۔ اور ضرورت حقہ کیوقت وہ نازل ہوئی ہے۔ درحقیقت جو ضرورت مصلح کی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کیوقت دنیا کو تھی ایسی ضرورت کسی نبی کیوقت مین نہین تھی اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اس دلیل کو بار بار بیان فرمایا ہے۔ مین پوچھتا ہون کہ کیا حضرت مسیح علیہ السلام کیوقت مین ایسی ضرورت تھی؟ مین امید کرتا ہون کہ سیل صاحب صفائی سے اسکا جواب دینگے۔ حضرت مسیح رومی سلطنت مین پیدا ہوئے اور مین اس بات کا انصاف پادریصاحب پر ہی چھوڑتا ہون کہ آیا تہذیب اور روشنی اسوقت کی رومی سلطنت مین زیادہ تھی یا ایام جاہلیت کی عرب مین کیونکہ انکی اپنی بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ جسقدر کوئی قوم زیادہ مہذب اور ترقی یافتہ ہو اسیقدر اس مین مصلح کی ضرورت کم ہوتی ہے۔ پادریصاحب عرب کی تمدنی اخلاقی اور ملکی حالت کا مقابلہ رومی سلطنت سے کرین اور ایک سچائی سے پیار کرنیوالے کی طرح صفائی سے حق کا کھلا کھلا اظہار کرین کہ دونون ملکون مین سے کس مین مصلح کیضرورت زیادہ تھی۔ اسلام پر قلم فرسائی کرتے ہوئے پادریصاحب نے یہودی مذہب کے عرب پر نیک اثر کا بہت کچھ ذکر کیا ہے مگر میرا سوال یہ ہے کہ یہ نیک اثر والا مذہب وہی یہودی مذہب تھا جسکی اصلاح کیلئے حضرت مسیح مبعوث ہوئے تھے اور آخر اسکی اصلاح سے ہاتھ دھو کر کسی اور طرف روانہ ہوئے جسے ہم کشمیر کہتے ہین تم چاہو تو آسمان کہہ لو۔ کسقدر حیرت اور تعجب کا مقام ہے کہ پادریصاحب ایکطرف تو یہ کہین اور اسی پر انکے ایمان کا دارومدار ہو کہ یہودی مذہب حضرت مسیح کی پیدایش کے وقت بگڑ چکا ہوا تھا اور دوسریطرف یہ دعوی

کرین کہ یہ بگڑا ہوا مذہب چھ سو سال اور بگڑنے اور حضرت مسیح کی اصلاح کو رد کرنیکے بعد بھی عرب پر نیک اثر ڈال رہا تھا۔ مجھے تعجب اس بات سے آتا ہے کہ پادری صاحب کا دل کس طرح مطمئن ہوا کہ اسلام کی دشمنی کیخاطر ایک ایسا کلمہ منہ سے نکالین جو انکے اپنے عقیدہ اور مذہب کی جڑ کاٹتا ہے اور جسکو وہ یقیناً جھوٹا سمجھتے ہین اگر اپنے مذہب کو سچا سمجھتے ہون۔ کیا انکا وہی ایمان ہے جو قدیم عیسائیونکا تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر الزام قایم کرنیکے لیے جو جھوٹ گھڑ لیا جاوے درست ہے اور پھر یہ لوگ یہ بھی دعوے کرتے ہین کہ ہم نیکی اور راستی کے معلم ہین!

اس سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا کہ یہودی کیا تمدن کے لحاظ سے اور کیا اخلاقی پہلو سے ایام جاہلیت کے عرب سے بدرجہا بہتر تھے۔ پھر اس غلط بیانی سے کیا حاصل ہو سکتا ہے کہ عرب بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ایک مہذب ملک تھا۔ کیونکہ بہر حال یہ تو ماننا جائیگا کہ جن لوگونکے درمیان حضرت مسیح پیدا ہوئے وہ عرب سے زیادہ مہذب تھے۔ پس اگر عرب کے مہذب ہونیسے آنحضرت کی نبوت پر حملہ کرنا مقصود ہے تو یہودیونکے تہذیب یافتہ ہونیکا واقعہ جس سے کسیکو انکار کی گنجایش ہی نہین یسوع کی مسیحیت کو جڑ سے کاٹتا ہے۔ جس آدمی کو کچھ بھی انصاف اور راستی کا پاس ہو وہ دیکھ سکتا ہے کہ دونون صورتونمین ایک ہی اصول کی پابندی چاہئیے۔ اگر کسی ملک کے مہذب ہونیسے ہی ایک نبی کی نبوت کا دعوے غلط ہو سکتا ہے تو پہلے حضرت مسیح کے منجانب اللہ ہونیسے عیسائیونکو انکار کرنا چاہیئے۔ یہودیونکو جنکی طرف مسیح علیہ السلام آئے تھے۔ حضرت مسیح نے کوئی نئی تمدنی یا اخلاقی تعلیم نہین دی بلکہ جسقدر انکی تعلیم تھی اس سب کا ماخذ یہودیونکی کتابین ہی ہین۔

مگر جو فرق ان دو قومونکی حالت مین دکھایا گیا ہے اس سے نہایت مفید نتایج پیدا ہوتے ہین جس قوم کیطرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے وہ مدت دراز سے بت پرستی اور دوسری چیزونکی پرستش مین ایسی غرق شدہ تھی کہ کوئی انسانی طاقت انکو اس بت پرستی سے باہر نہ نکال سکتی تھی۔ اور یہودیون اور عیسائیونکی تمام کوششین ناکام ثابت ہوئی تھین ان کے تمدنی اور اخلاقی قوانین اگر کچھ تھے تو بالکل وحشیانہ اور وہ پرلے درجہ کی بدکاریون اور فسق و فجور مین گرفتار تھے انکی اصلاح سے تمام انسانی طاقتین مایوس ہو چکی تھین انکے بالمقابل حضرت مسیح کے مخاطب یہودی تھے جنکا اگر عربونکی حالت سے مقابلہ کیا جائے تو یہی کہنا چاہئیے کہ انکو کسی اصلاح کی ضرورت ہی نہ تھی۔ ملکی حالت انکی بیشک کمزور تھی۔ اور وہ ایک دوسری سلطنت کے ماتحت تھے مگر حضرت مسیح انکی گردنون کو دوسری حکومت کے جوئے سے آزاد کرا نے نہ آئے تھے۔ اگرچہ ابتدا مین معلوم ہوتا ہے کہ انکے دل مین ایسا خیال پیدا ہوا تھا۔ خدا کے سوا وہ لوگ

کسی کی پرستش نہ کرتے تھے اور نہ صرف خود ہی توحید پر ایمان لاتے تھے بلکہ اپنی گرد و پیش کی قوموں کو بھی خدا کی توحید کیطرف بلاتے تھے۔یہی مسئلہ توحید ہی تھا جسکے سبب سے وہ دوسری تمام قوموں پر ممتاز تھے پھر انکے پاس اس زمانہ کی ضرورت کے مطابق شریعت بھی موجود تھی اور لکھی ہوئی موجود تھی ان مین تعلیم دینے والے وہ لوگ موجود تھے جنکے متعلق خود حضرت مسیح نے اقرار کیا کہ فقیہ اور فریسی موسی کی گدی پر بیٹھے ہین۔اب اگر اس قوم کیحالت کا موازنہ ایام جاہلیت کے عربوں سے کیا جاوے تو یہی کہنا پڑیگا کہ ضرورت زمانہ کے لحاظ سے یہودیوں کے تمدنی اور اخلاقی قانون بالکل مکمل تھے۔

یہ تو ان دونوں نبیونکی ضرورت مین فرق ہے اب اس تبدیلی پر بھی غور کرو جو انہوں نے دنیا مین کرکے دکھائی۔یہ دوسری دلیل ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ہے۔عرب کی بت پرستی جو انکی خونون مین رچی ہوئی تھی جڑ سے کٹ گئی اور اسکی بجائے خدائے واحد کی پرستش قایم ہوگئی پہلی وحشیانہ اور کمینہ خصلتین سب نیکیوں سے تبدیل ہوگئین۔جن پاکیزہ اور خوبصورت اور پرمعنی الفاظ مین قرآن کریم نے اس حیرت انگیز تبدیلی کو بیان کیا ہے دوسرا کوئی نہین کر سکتا۔پہلے اس کتاب پاک نے انکی وہ حالت بیان کی ہے جب وہ محض بہایم کی طرح تھے جسکے متعلق چند آیات پہلے نقل کیجا چکی ہین۔بڑا لمبا عرصہ نہین گذرتا بلکہ تئیس سال مین ہی وہ کل کا کل نقشہ ایسا بدل جاتا ہے کہ کوئی نہین کہہ سکتا کہ یہ نئی قوم اسی جاہل اور خونریز قوم سے بنی ہے۔دشمنی اور تباغض کی آگ جو صدیوں سے انمین جل رہی تھی اور جسکے شعلے ہزارون جانونکو کھا چکے تھے ایسی بجھ گئی کہ اسکا نام و نشان بھی باقی نہ رہ گیا۔جو قومین ہمیشہ ایکدوسرے سے جنگ کرتی رہی تھین وہ ایسی بھائی بھائی بن گئین کہ گویا کبھی ان مین دشمنی پیدا ہی نہ ہوئی تھی اور ایک ایسی وحدت کل قوم مین نظر آنے لگی کہ گویا اسکے اجزا پہلے کبھی الگ الگ ہوئے ہی نہین تھے۔اس حیرت انگیز تبدیلی کو خدا کی پاک کتاب ان الفاظ مین بیان فرماتی ہے:۔ واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا وکنتم علے شفا حفرۃ من النار فانقذکم منہا کذلک یبین اللہ لکم اٰیتہ لعلکم تہتدون۔ (آل عمران۔رکوع ۱۱۔آیت ۱۰۲) اور اللہ کا وہ احسان یاد کرو جب تم ایکدوسرے کے دشمن جانی تھے پھر اللہ نے تمہارے دلون مین الفت پیدا کی یہانتک کہ تم اسکے فضل سے بھائی بن گئے اور تم ایک آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے (جو تمہین سب کے سب کو بھسم کرجانیکو تیار تھی) پھر خدا نے ہی تمکو اس آگ سے بچایا۔ اسی طرح اللہ تعالے اپنی آیات کھول کھولکر تمہارے لیے بیان کرتا ہے تاکہ تم راہ راست پر آجاؤ+ یہ حیرت انگیز اتحاد اور یگانگت عرب کی سرکش اقوام مین ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے اور دنیا کی تاریخ مین اس کی ایک بھی نظیر نہین ملتی۔

یہ اس عظیم الشان تبدیلی کا ایک پہلو تھا جو آپکے وجود مبارک سے ظہور پذیر ہوئی۔ مذہبی اور اعتقادی تبدیلی اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے وہ لوگ جو مدتوں سے نہ صرف بتوں اور آسمان و زمین کی طاقتوں کی پرستش کرتے چلے آتے تھے بلکہ جو حیوانوں۔ درختوں پتھروں اور ریت کے ڈھیروں کے سامنے بھی سربسجود ہو جاتے تھے۔ اور ان میں الٰہی طاقت کا ہونا مانتے تھے۔ ان سب بیہودگیوں کو چھوڑ کر نہ صرف اللہ تعالیٰ کی توحید پر ہی قایم ہو گئے بلکہ توحید اور صفات الٰہی کے ان باریک مراتب تک پہنچ گئے جسکی نظیر دنیا کی کسی قوم میں نہیں پائی جاتی۔ صرف بتوں کی پرستش کو چھوڑ دینا ہی انکے نزدیک شرک سے بچنا نہ تھا بلکہ جبتک انہوں نے اپنے نفس کی تمام خواہشات کو ترک نہ کر دیا اور ہر ایک طاقت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہی نہ سمجھ لیا تب تک انہوں نے اپنے آپکو خدا کی توحید پر قایم نہیں سمجھا۔ پھر ان کا یہ ایمان طرح طرح کی ابتلاؤں اور امتحانوں سے آزمایا گیا مگر آزمایشوں کی تندہواؤں کا ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ ان کی تعریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا۔ یعنی ان کا ایمان صرف زبان کے اقرار تک ہی نہیں رہا بلکہ جب وہ آزمایشوں کی چکی میں پیسے گئے تو انہوں نے بے نظیر استقامت دکھائی۔ وہی لوگ جو اپنے دیوتاؤں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے اب دنیا میں خالص توحید کے معلم ہو گئے وہ کامل توحید جسکا نقشہ سورہ اخلاص میں کھینچا گیا ہے۔ قل ہو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد نیز اس آیتہ شریفہ میں جو آیۃ الکرسی کے نام سے موسوم ہے۔ اور دوسرے موقعوں پر بھی

سب سے زیادہ حیرت انگیز بات اس تبدیلی میں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عرب میں کر دکھائی اسکا ہر پہلو سے کامل ہونا ہی ہے آپکے وجود سے عرب کی کایا ہی پلٹ گئی اور کل کا کل نقشہ بدل گیا۔ کیا انکے عقاید اور اعمال۔ کیا انکے تمدنی اور اخلاقی قوانین اور انکی ملکی حالت۔ ہر ایک بات میں ایک عظیم الشان تغیر آگیا۔ میخوری اور عیاشی کی مجالس کا نام و نشان نہ رہا۔ اور انکی بجائے ذکر الٰہی کی مجالس قایم ہوئیں۔ جو لوگ رات شرابخوری میں گنواتے تھے جیسا کہ آج کل بھی یورپ میں دستور ہے انکی راتیں اب خدا کے آگے قیام و سجود میں صرف ہوتیں شرابخوری کے پانچ اوقات پانچ نمازوں سے بدل گئے۔ ہنسی ٹھٹھے کی بجائے نمازوں میں خضوع و خشوع پیدا ہوا اور خوف الٰہی سے گریہ و بکا غالب ہوا۔ ہر ایک تاریکی دور ہو گئی اور نور کی شعاعیں پوری قوت کے ساتھ چمک اٹھیں۔ بدی کا ہر ایک خیال دور ہو کر نیکی کی محبت پیدا ہو گئی۔ اسیکا ذکر قرآن شریف سورہ الحجرات میں فرماتا ہے:۔ ولکن اللہ حبب الیکم الایمان و زینہ فی قلوبکم و کرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان (الحجرات رکوع ۱) یعنی خدا نے تمہیں ایمان کی محبت دیدی ہے اور تمہارے دلوں میں اسکے لیے ایک کشش پیدا کر دی ہے اور کفر اور فسق و فجور اور نافرمانی سے تمکو نفرت دلادی ہے۔ عباد الرحمان کا جو نقشہ قرآن کریم نے سورہ فرقان کے خاتمہ پر کھینچا ہے وہ گویا صحابہ رضی اللہ عنہم کی حالت کا ہی ایک نقشہ ہے۔ اسی سورۃ میں پہلے انکی جاہلیت

کی) حالت کو یون بیان فرماتا ہے کہ وہ چار پایونکی طرح بلکہ چار پایونسے بھی گئے گذرے ہین اور پھر فرمایا کہ ابنکی تاریکی کا زمانہ دور ہوکر انپر روشنی کا دن چڑھیگا اور اسکو ایک نشان بھی قرار دیا ہے کہ کس طرح خدا تعالے نے اپنے خاص ارادہ اور طاقت سے ایک ظلمت مین پڑی ہوئی قوم کو یہ روشنی عطا فرمائی۔ یہ نشان ہو صداقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا جنکے وجود مبارک اور انفاس طیبہ اور قوت قدسی سے یہ عظیم الشان تبدیلی ظہور مین آئی۔ پھر صحابہ کی اس تبدیل شدہ حالت کو یون بیان فرمایا ہے:۔ وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ہونًا واذا خاطبہم الجٰہلون قالوا سلٰماً + والذین یبیتون لربہم سجدًا وقیاما + والذین یقولون ربنا اصرف عنا عذاب جہنم ق ان عذابہا کان غراما + انہا ساءت مستقرا ومقاما + والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذٰلک قواما + والذین لایدعون مع اللہ الٰہا اٰخر ولایقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولا یزنون ؕ ومن یفعل ذٰلک یلق اثاما۔ یضٰعف لہ العذاب یوم القیٰمۃ ویخلد فیہ مہانا + الا من تاب واٰمن وعمل عملاً صالحاً فاولٰئک یبدل اللہ سیاٰتہم حسنٰت ؕ وکان اللہ غفورا رحیما + ومن تاب وعمل صالحاً فانہ یتوب الی اللہ متابا + والذین لایشہدون الزور واذا مروا باللغو مروا کراما + والذین اذا ذکروا باٰیٰت ربہم لم یخروا علیہا صما و عمیانا + والذین یقولون ربنا ہب لنا من ازواجنا وذریٰتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما + ان آیات کا مفہوم یہ ہے کہ خدائے رحمان کے خاص بندے وہ ہین جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہین اور جب جاہل (انکو ایذا پہونچانیکی غرض سے) انسے خطاب کرتے ہین تو وہ جواب مین بھلائی کی بات کہتے ہین (اور ایذا کے مقابل ایذا نہین پہونچاتے) اور جو رات کو اس حالت مین گذارتے ہین کہ اپنے پروردگار کے آگے کبھی سجدے مین گرے ہوئے اپنی عبودیت کا اعتراف کرتے اور کبھی کھڑے اسکی حمد وثنا کرتے ہین (یعنی رات کے ان اوقات مین خضوع وخشوع کے ساتھ نماز مین مشغول ہین جن اوقات مین پہلے شرابخوری اور عیاشی اور فسق وفجور کی مجلسون مین ہوتے تھے) اور جو دعائین مانگتے رہتے ہین کہ اے ہمارے پروردگار عذاب دوزخ کو (جو تیری نافرمانی اور تجھسے علیحدگی مین پیدا ہوتا ہے) ہم سے دور رکھیو کیونکہ دوزخ کا عذاب بڑی مصیبت ہے اور وہ ٹھہرنے اور قیام کرنیکے لیے بری جگہ ہے۔ اور جو جب خرچ کرتے ہین تو نہ فضول خرچی ہی کرتے ہین (جیساکہ ایام جاہلیت مین دنیاوی فخر اور نمود کے لیے اپنے سارے مال و متاع کو ضایع کردیتے تھے) اور نہ بخل ہی کرتے ہین (جیساکہ پہلے کرتے تھے) بلکہ (افراط وتفریط کو چھوڑکر) میانی راہ پر چلتے ہین۔ اور جو خدا کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہین پکارتے اور نہ ناحق کسی نفس کو جسے خدا نے حرام کر رکھا ہے قتل کرتے ہین (حالانکہ جاہلیت مین انکا کام ہی خونریزی تھا) اور نہ زنا ہی کرتے ہین (جسے پہلے گناہ ہی نہ سمجھا جاتا تھا) اور جو کوئی ایسا فعل کریگا وہ اپنے گناہ کا خمیازہ بھگتے گا۔ کہ قیامت کے دن اسکو

ن

دوہرا عذاب دیا جائیگا اور وہ ذلیل وخوار اسی مین پڑا رہیگا۔ مگر جس نے توبہ کی اور (جہالت مین گناہ کرنیکے بعد) ایمان لایا اور ایسے کام کیے جو ہر قسم کے فساد سے خالی ہین تو ایسے لوگونکی بدیونکو (جو وہ کیا کرتے تھے) خدا نیکیون سے بدل دیگا (اور وہ آیندہ بدی کے ارتکاب سے محفوظ رہینگے) اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے اور جو شخص توبہ کرے اور (توبہ کے بعد) ایسے عمل کرے جو نیک اور فساد سے خالی ہین تو وہ حقیقت مین خدا کیطرف سچا رجوع لاتا ہے۔ اور (خدا کے خاص بندے وہ ہین) جو جھوٹی گواہی نہین دیتے۔ اور جب اتفاقاً بیہودہ مشغلونکے پاس ہوکر گذرین تو کریم لوگونکی طرح گذر جاتے ہین (گویا انہین ان باتون سے کوئی تعلق ہی نہین) اور جب انکو انکے پروردگار کی آیتین سناکر نصیحت کیجاتی ہے تو گونگے اور بہرے ہوکر ان پر نہین گر پڑتے اور جو لوگ دعائین مانگتے رہتے ہین کہ اے ہمارے پروردگار ہمکو ہماری بیبیون اور اولاد سے آنکھونکی ٹھنڈک عطا فرما۔ اور ہمکو پرہیزگارون کا پیشوا بنا۔

ان آیات مین انہی عربون کی حالت کا ایک دوسرا نقشہ کھینچا گیا ہے جنکی پہلی حالت کا نقشہ یہ تھا۔ کہ وہ چارپایونکی طرح ہین یعنی جن کو محض کھانے پینے سے ہی غرض ہے اور وہ خدا سے ایسے دور پڑے ہوئے ہین جیسے چارپائے۔ اور یہ پاک تبدیلی ایک کامل انسان کے ذریعہ سے دنیا مین ہوئی کہ مدتونکے بگڑے ہوؤنکو ایسا سنوارا کہ آیندہ نسلونکے تمام راستبازونکے لیے وہ نمونہ اور پیشوا ٹھہرے۔ اب مین پوچھتا ہون کہ کسی مذہب کو اختیار کرنیسے ہماری اصلی غرض کیا ہے؟ جو شخص یہ کہتا ہے کہ مذہب کی غرض صرف یہ ہے کہ آیندہ جہان مین وہمی طور پر ہماری نجات ہو جاوے وہ غلطی کرتا ہے۔ سچی نجات جسکا حصول ہم مذہب کے ذریعہ چاہتے ہین صرف یہ ہے کہ ہماری زندگیون مین ایک پاک تبدیلی واقع ہوکر اسی دنیا مین ہمین نجات حاصل ہو جاوے۔ اور یہی مذہب کی سچائی کا امتیازی نشان ہے کہ وہ آیندہ کے وعدونپر نہین ٹالتا بلکہ اسی جگہ انسان کو بدکاری اور گندگی سے نجات دے کر ایک پاک تبدیلی اسکے اندر پیدا کر دیتا ہے اب اس امتیازی نشان کے ساتھ اسلام نہین بلکہ کل مذاہب کو پرکھو اور کل دنیا کے مذہبی پیشواؤن کی زندگیونکا مطالعہ کرو۔ اور مین دعوے سے کہتا ہون کہ اس کامل اور پاک تبدیلی کا کوئی نمونہ تم ہرگز پیش نہین کر سکتے جو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ہوئی مسیح ہو یا کوئی اور پادری صاحب ہون اگر وہ ایک بھی نظیر اسکی پیش کر دین کہ عرب کی طرح کوئی قوم ایسی ذلت کیحالت مین گری ہوئی اور ایسی غلطیون اور بدکاریون مین مبتلا تھی اور اسقدر تھوڑے عرصہ مین کسی مصلح نے اسکی ایسی کایا پلٹ دی اور اسکو روحانی اور اخلاقی اور تمدنی پہلوؤن سے ایسا اوج کمال پر پہونچا دیا تو بیشک اسلام کو دوسرے مذاہب پر کوئی ترجیح نہ ہوگی اور اسکے مقدس بانی کو اسپر درود اور سلام ہو دوسرے مصلحونپر کوئی فضیلت نہ ہوگی مگر مینے جسقدر اس سوال پر غور کیا ہے اسیقدر

زیادہ صفائی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے اندر ایک کامل تبدیلی پاکیزگی کیطرف پیدا کرنیوالا صرف ایک ہی نبی ہے یعنی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم۔ نہ ہی حضرت موسے اور نہ ہی حضرت عیسے علیہما السلام نے ایسی پاک تبدیلی اپنی اقوام مین پیدا کر کے دکھائی اگرچہ ہم ان دونوں کو خدا کے سچے نبی اور برگزیدہ مانتے ہین مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی سب سے بڑھی ہوئی تھی اور یہ تمام انبیاء علیہم السلام اولین اور آخرین پر آپکی فضیلت ہے مین تو دلایل اور واقعات کو چاہتا ہون کسی دوسرے نبی یا مصلح کی زندگی مین ایسی عظیم الشان ایسی کامل اور ایسی خلاف امید تبدیلی کا کوئی نمونہ دکھادو اور مجھے اس امر کے تسلیم کرنے مین کوئی انکار نہ ہوگا کہ وہ نبی یا مصلح بھی خدا کیطرف سے تھا۔ مگر اے عیسائی صاحبان آپ بھی غور کرین ہان جنکے دلونمین کچھ بھی انصاف اور خدا ترسی باقی ہے وہ غور کرین کہ اس کامل اور عظیم الشان انسان کو جس کی پاک تبدیلی کی کوئی نظیر دنیا مین نہین ملتی مفتری اور کذاب کہا جاتا ہے کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی ظلم ہے کہ وہ شخص جو تمام نسل انسانی کا فخر ہے اسکو برا کہا جاوے اور برے نامونسے یاد کیا جاوے اور ایک ضعیف انسان کو جسکی زندگی مین اس تبدیلی کے عشر عشیر کا بھی ثبوت نہین ملتا۔ خدا بنایا جاوے۔ ہمارے تمہارے درمیان ایک نہایت آسان راہ فیصلہ کی ہے اور وہ یہ کہ تم اس تبدیلی کی نظیر حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی سے نکالکر دکھاؤ۔ ہم انکی بھی وہی فضیلت مان لینگے مگر یاد رکھو کہ اگر ساری عمرین بھی تاریخ کی ورق گردانی مین خرچ کردو تو اس تبدیلی کی نظیر دنیا کے کسی کونے مین تمکو نہ مل سکے گی پس خدا ترسی اختیار کرو اور سچائی سے مت بھاگو۔

اسکے بالمقابل اب یہ دیکھنا ہے کہ یسوع نے کونسی تبدیلی یہودیون مین کی۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم نے اسکا مقابلہ اس تبدیلی سے کرنا ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کی تھی یعنی ایک قوم کو اس حالت مین پایا جسپر چارپایوں کا لفظ صادق آسکے اور جسکی حالت ظہر الفساد فی البر والبحر کی مصداق ہو اور اسکو اس مرتبہ اور اوج کمال تک پہونچایا جسکا سچا نقشہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی۔ مین کھینچا گیا ہے۔ اب میرا سوال پادری سیل صاحب سے یہ ہے کہ وہ ایمانداری سے اور موت اور اسکے بعد جوابدہی کے دن کو مدنظر رکھکر یہ بتائین کہ کیا حضرت مسیح نے یہودیونکو اس گری ہوئی حالت مین پایا جسمین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عربونکو پایا تھا؟ کیا وہ بھی عرب کیطرح سخت بت پرست اور مشرک تھے؟ یا کیا یہی بات یہ ہے کہ وہ صدیوں سے توحید پر قایم بلکہ توحید کے واعظ چلے آتے تھے اور بت پرستی اور انسان پرستی سے نفرت رکھتے تھے اور پھر کیا انکے درمیان اعلے درجہ کے تمدنی اور اخلاقی قوانین لکھے ہوئے موجود تھے یا عرب کیطرح وہ ان سب امور مین جاہل تھے؟ سیل صاحب یہ بھی ایمانداری سے بتاوین کہ کیا یہ سچ نہین کہ جو اخلاقی تعلیم حضرت مسیح نے دی وہ انکے درمیان ہمیشہ سے چلی آتی تھی؟ یہ تو ان دونونکی حالت مین فرق تھا۔ اب دوسری طرف اس بات کو بھی دیکھنا چاہیئے کہ

اس قوم کی حالت مین جس کے لیے حضرت مسیح آئے اور جس کو کوئی نئی بات سکھانیوالی نہ تھی کیونکہ انکے پاس ضرورت زمانہ کے مطابق ایک کامل شریعت موجود تھی کیا تغیر واقع ہوا اس جگہ ہمین اور بھی حیرانی ہوتی ہے کہ حالانکہ حضرت مسیح کا منشا انکی پرانی رسوم اور شریعت کو دور کرنیکا تھا اور نہ ہی انکی کوئی نئی تعلیم تھی جو یہودیونکی تعلیم کے مخالف ہوتی پھر بھی حضرت مسیح نے قوم یہود پر کوئی نمایان اثر پیدا نہین کیا - چہ جائیکہ عرب جیسی عظیم الشان تبدیلی کا نام لیا جاوے - اگر ایک شخص تاریخ کو ہاتھ مین لیکر حضرت مسیح کے آنیسے پہلے قوم یہود کے حالات کو مطالعہ کرے اور پھر آپ کی موت کے بعد انکے حالات پر غور کرے تو وہ قطعاً پتہ نہین لگا سکتا کہ انکے درمیان کوئی مصلح بھی پیدا ہوا تھا کیونکہ کوئی نمایان فرق یا کوئی ترقی اس قوم کیحالت مین نظر نہین آتی - طالبان حق دیکھ سکتے ہین کہ مین یہ کسی مذہبی تعصب کیوجہ سے نہین کہتا کیونکہ ہم بھی حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا سچا نبی مانتے ہین بلکہ واقعات اور تاریخ سے یہی ثابت ہوتا ہے اور نہ صرف انکی زندگی مین ہی حضرت مسیح کی تعلیم کا کوئی اثر یہودیوں پر نہین ہوا - بلکہ کم از کم سو سال گذر جانے تک بھی یہودیون نے حضرت مسیح علیہ السلام کو بلحاظ دشمن کے بھی کوئی وقعت نہین دی - ہان جب اصل تعلیم مسیح کی گم ہوگئی اور ایک بت پرست قوم کے اصول کو لیکر ایک نیا سلسلہ آپکے نام پر قایم کیا گیا اسوقت یہودیونکو اسطرف خیال آیا کیونکہ یہ نیا سلسلہ حضرت مسیح کی تعلیم کے ایسا ہی خلاف تھا - جیسا بنی اسرائیل کے کل نبیونکی متفقہ تعلیم کے - حضرت مسیح کی زندگی کے واقعات اناجیل مین جنکو عیسائی صاحبان الہامی مانا کرتے تھے اور ان واقعات سے ہرگز ثابت نہین ہوتا کہ یہودیون مین بھی کوئی عظیم الشان تبدیلی آپکی تعلیم سے پیدا ہوئی تھی - بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسی گمنامی کی حالت مین آپ دنیا مین آئے تھے ویسی ہی گمنامی کی حالت مین اس دنیا سے نہین مگر اس ملک سے ضرور کوچ کر گئے - قوم یہود مین آپکی تعلیم سے کوئی روحانیت پیدا نہین ہوئی - بلکہ بظاہر آپ ایک ناکامی کی حالت مین ہی گذر گئے - (اگرچہ ہمارا یہ ایمان ہے کہ وہ کامیابی جو ایک سچے نبی کو ہونی چاہیئے وہ آپکو دوسری اسرائیلی اقوام مین حاصل ہوئی جو کشمیر اور افغانستان مین آباد ہوچکی تھین) یہی وجہ ہے کہ یہودیون نے اپنی روایات اور کتب اور تاریخ مین مدت تک حضرت مسیح کا ذکر بھی نہین کیا گویا وہ اسکے آنے اور نہ آنے کو برابر سمجھتے تھے - اب خدا کے لیے کوئی غور کرنیوالا ہو کہ کہان یہ گمنامی اور ناکامی کہ ایک پڑھی پڑھائی قوم کیحالت کو بھی سنوار نہ سکے اور کہان وہ حیرت انگیز تبدیلی کہ وحشی ہونیکی حالت سے نکالکر کمال انسانی کے اوج پر پہونچا دیا - اے عیسائی صاحبان خدا سے خوف کرکے آپ بتادین کہ ان مین سے کسکو الوہیت کا مظہر اتم اور فخر ولد آدم کہنا چاہیئے تم اسکا جو چاہو نام رکھ لو مگر یاد رکھو کہ جو اسکے احسان دنیا پر ہین تم انکا انکار نہین کرسکتے اور جو پاک تبدیلی اسنے پیدا کر دکھائی تم اسکی کوئی نظیر پیش نہین کرسکتے -

اس سورج کی روشنی تو تمہارے سروں پر پڑ رہی ہے پھر تمہیں اس سے کیا فایدہ کہ اس روشنی کے سرچشمہ کو تاریکی کا سرچشمہ کہو اور خود تاریکی سے باہر نہ نکلو کیونکہ واقعات سے سیل اور میور بھی انکار نہیں کر سکتے ہمیں پیروی تو اسکی کرنی چاہیئے جو ہمیں پاکیزگی عطا کر سکتا ہے۔ پس دیکھو کہ دنیا میں زیادہ پاکیزگی پھیلانیوالا اور اپنے مشن میں بڑا کامیاب کون ہے۔ اگر تیرہ سو سال کے تعصب کو الگ کر دو تو تم اسکی عظمت کو سچ مچ دیکھلوگے اور اپنی روحوں کے اندر اس پاک انسان کی پاکیزگی کے اثر کو محسوس کر لوگے۔

لیکن اگر یہ کہا جاوے کہ یہودیوں نے اسکی تعلیم کو ہی قبول نہ کیا تو اپنر اسکا اثر کیا پڑتا تو اول سوال تو یہ ہے کہ یہ بھی تو ناکامی ہے کہ جس قوم کیلیے بھیجے گئے تھے اسی نے تعلیم قبول کرنیسے انکار کر دیا لیکن اس سوال کو چھوڑ کر بھی کوئی عظیم الشان تبدیلی ان معدودے چند اشخاص کی حالت میں نظر نہیں آتی۔ جنہوں نے آپکے مشن کو قبول کر لیا تھا۔ ایک پاکیزہ اور تبدیل شدہ زندگی کی پہلی علامت یہ ہے کہ ایسے شخص میں استقامت پیدا ہو جائے کیونکہ جس شخص میں اتنی طاقت نہیں کہ تھوڑی سی آزمایش کا مقابلہ کر سکے وہ بدی کی عظیم الشان طاقتوں کا کیونکر مقابلہ کر سکیگا۔ یاد رکھو کہ جس شخص کا ایمان کچا ہے اسکے عمل بھی اسی حالت میں ہیں۔ جبتک ایک آدمی خدا کی محبت کی کٹھالی میں نہ ڈالا جاوے اور جبتک وہ ابتلاؤں کی تیز آگ سے صاف بچکر نہ نکل آوے اسوقت تک اسکی روح سفلی تعلقات سے الگ نہیں ہو سکتی اور نہ حقیقی پاکیزگی تک پہنچ سکتی ہے اور ایسے شخص کی تبدیلی بھی ناتمام ہے۔ اب جب ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی حالت کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ سخت سے سخت ابتلاؤں میں ڈالے گئے اور آزمایشوں کی چکیوں میں پیسے گئے مگر وہ صحیح سلامت اور کامیاب نکلے ابتدا میں انکو جو تکلیفیں دی گئیں انکے ذکر سے بھی بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ مکہ میں بعض وقت انکی یہ حالت ہوتی تھی کہ سخت گرمی میں دوپہر کے وقت جلتی ہوئی ریت اور پتھروں پر انکو ننگے ڈالدیا جاتا اور اسپر کوڑوں سے پیٹا جاتا مگر اسوقت بھی جب وہ گرمی کی شدت اور پیاس کی تیزی اور مار کی سختی سے نیم مردہ ہو جاتے تب بھی انکے مُنہ سے یہی لفظ نکلتے کہ لا الہ الا اللہ۔ پھر ان مصیبتوں کے بعد انکو اپنا وطن چھوڑ کر ایک دوسرے ملک میں پناہ لینی پڑی اور گھر بار سب چھوڑنے پڑے پھر بھی انہوں نے ثابت قدمی دکھائی۔ آخر جب یہ جلاوطن واپس آئے تو کفار کیطرف سے اور بھی بڑھکر دکھ دیا جانے لگا چنانچہ پھر دوسری دفعہ سب کے سب ہجرت کر کے مدینہ میں پہونچے اور یہاں فاقہ کشی اور سخت محنتوں سے گذارہ کیا لیکن اسلام پر ویسے ہی ثابت قدم رہے۔ مگر یہاں انکی مصیبتوں کا انتہا نہیں ہوا۔ بلکہ اب کفار پہلے سے بھی تند ہو کر انکو نابود کرنیکے درپے ہوئے اور ان ناتجربہ کاروں کو جنکو تیرہ سال دکھ اٹھاتے ہو گئے تھے اور کبھی کسی کے سامنے نہ زبان کھولی

تھی اور نہ ہاتھ اٹھایا تھا۔ اب اپنی حفاظت کے لیے بالمقابل جنگ کرنا پڑا۔ مگر انہوں نے اپنے پیارے نبی کے ساتھ کو نہ چھوڑا اور ہر ایک تکلیف اور ہر ایک مصیبت کو گوارا کیا۔ گھر چھوڑے مال چھوٹے۔ ماریں کھائیں اور آخر جانیں بھی دیں اللّٰھم صل علے محمد و آل محمد و اصحاب محمد و بارک وسلم انک حمید مجید۔ یوں شروع سے لیکر یعنی اسوقت سے جب انہوں نے پہلے اسلام کو قبول کیا اخیر تک تکلیفیں ہی تکلیفیں انکی راہ میں رہیں مگر وہ استقامت انہوں نے دکھائی جو ایک غور کرنیوالی طبیعت کو حیرت میں ڈالدیتی ہے وہ مصایب کے مقابلہ سے نہ تھکے نہیں بلکہ ایک چوتھائی صدی کی انہیں حالتوں میں گذاری مگر اس حق کو چھوڑنا جسکو وہ بصیرت سے قبول کر چکے تھے انکے لیے موت سے بدتر تھا جس ایمان پر انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو قبول کیا تھا۔ اسی ایمان پر انکا خاتمہ بھی ہوا۔ دنیا میں ایسی نظیریں تو ہونگی کہ مذہب کی بنا پر لوگوں نے موت کو قبول کیا اور اپنے مذہبی عقاید کو نہ چھوڑا مگر انکی حالتوں کا ہم اندازہ نہیں لگا سکتے کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اگر انکی مصیبتوں کو لمبا کیا جاتا تو وہ قایم رہتے یا پھر جاتے۔ بعض وقت فوری جوش سے انسان بہت کچھ کر گذرتا ہے۔ لیکن یہ نظیر کہ شروع سے لیکر آخر تک مصایب کا مقابلہ ہو اور مصایب بھی وہ جو دن بدن بڑھ رہے ہوں اور تئیس سال کا لمبا زمانہ انہیں مصایب میں گذر جائے اور پھر بھی ایمان میں ذرہ بھر تزلزل نہ ہو۔ اسکی نظیر دنیا میں کوئی نہیں اور ہرگز نہیں۔

اس حیرت انگیز استقامت کا مقابلہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے دکھائی حضرت مسیح کے عام مریدوں سے بلکہ خاص حواریوں سے ہی کرو۔ اور افسوس سے کہنا پڑے گا کہ اس استقامت کی بو بھی انمیں نہیں پائی جاتی۔ اور نہ ہی انہوں نے اپنے مرشد سے وفاداری کا کوئی ثبوت دیا ہے اول تو حضرت مسیح ایک ایسی گورمنٹ کے ماتحت تھے جو ایک نہایت منتظم گورمنٹ تھی جسکے نیچے مذہبی بنا پر کسیکو دکھ نہ دیا جاسکتا تھا یہی وجہ تھی کہ یہودیوں کو یہ جرات نہ ہوئی کہ آپکو یونہی مار ڈالتے بلکہ عدالت کے سامنے پیش کرنا پڑا اور خود حضرت مسیح نے بعض اوقات ایسے کام کیے ہیں جنسے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتدا میں ایک مظلوم کے رنگ میں نہ تھے۔ مثلاً یوحنا ۲-۱۵ کو پڑھو کہ کس طرح انہوں نے خرید و فروخت کرنیوالوں کی میزوں کو الٹا دیا اور انکو مار کر ہیکل سے باہر نکال دیا۔ ایسے شخص کے پیرووں کو کسیکے دکھ پہونچانیکا کیا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ ہاں دس یا بارہ آدمیوں نے تخت ملنے کے وعدے پر اپنے کاروبار چھوڑ دیئے تھے مگر اسبات کا ثبوت نہیں ملتا کہ مچھلی پکڑنے والے جالوں کے سوا اور...... کوئی جائیدادیں بھی وہ چھوڑ کر چلے آئے تھے۔ ایک ہی واقعہ حضرت مسیح کو ساری عمر میں ایسا پیش آیا تھا جب انکے مریدوں کو کسیقدر استقامت دکھانی چاہیئے تھی مگر وہ موقعہ بھی ایسا نہ تھا کہ انہیں اپنی جانوں کا کوئی خطرہ ہوتا۔ مگر اس نازک وقت میں جب حضرت مسیح علیہ السلام

کو حوالات مین کر دیا گیا۔ آپکے خاص الخاص حواری پطرس نے بھی یہ نمونہ دکھایا کہ ذرا سی بات پر یہ جھوٹ بولدیا کہ مین مسیح کا مرید نہین بلکہ اسکو جانتا بھی نہین۔ کیا یہی استقامت اور تبدیلی ہے جسکی بنا پر حضرت مسیح کو خدا بنایا جاتا ہے؟ اور یہی وہ لوگ ہین جن کو گناہ سے نجات یافتہ کہا جاتا ہے؟

مین اس بات سے انکار نہین کرتا۔ کہ حضرت مسیح نے اپنے چند حواریونمین جو انگلیون پر گنے جاسکتے ہین کسیقدر تبدیلی پیدا کی ہو۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ جہان ایک ایسی ادھوری اور محدود تبدیلی کے پیدا کرنیوالے کو خدا یا خدا کا بیٹا بنایا جاتا ہے۔ اس فخر نسل انسانی کو جسکی تبدیلی کی اسکی کیفیت اور کمیت کے لحاظ سے دنیا مین کوئی نظیر نہین جھوٹا نبی کہا جاتا ہے۔ پادری صاحب اور انکے ہم عقیدہ لوگونکو چاہیئے کہ انصاف کرین اور واقعات کی بنا پر کسیکو سچا یا جھوٹا کہین۔ ان دونون بزرگ نبیونمین مقابلہ کرو اور واقعات کے رو سے جو افضل ہے اسے افضل کہو۔ اگر حضرت مسیح علیہ السلام نے یہودیونکو اس سے بدتر حالت مین پایا تھا جس حالت مین ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے عربونکو پایا۔ اور پھر ان مین اس سے بڑھ کر پاک تبدیلی پیدا کر دکھائی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عرب مین کی۔ تو ہمین مسیح کو افضل ماننے سے کوئی انکار نہین لیکن اگر تاریخ اور واقعات سے اسکے خلاف ثبوت ملے یعنے عرب کی پہلی حالت یہودیونسے بہت بدتر اور انکی دوسری حالت یہودیونکی دوسری حالت سے بہت افضل ثابت ہو جیسا کہ مین دکھا چکا ہون تو پھر عیسائی صاحبان کو چاہیئے کہ تعصّب اور طرفداری کو چھوڑ کر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کو تسلیم کرین۔ مین نہین جانتا کہ پادری "سیل" صاحب ان بیّن دلایل سے کچھ فائدہ اٹھائینگے یا نہین لیکن جو معیار صداقت اور فضیلت کا مینے یہان بیان کیا ہے اس سے کسی سمجھدار آدمی کو انکار نہین ہو سکتا۔ ہان اگر عیسائی صاحبان کوئی اور معیار انبیاء کی صداقت اور فضیلت کا پیش کر سکتے ہین جسکے رو سے توریت کے تمام انبیاء اور مسیح علیہ السلام کی نبوت کو پرکھ سکتے ہون اور انکے حق و باطل ہونیکو مین طور پر سمجھ سکتے ہون تو ہم اس معیار سے بھی یہ ثابت کر دینگے کہ فضیلت ایک ہی کیلیئے ہے۔ جس معیار سے چاہو دیکھ لو اور وہ ایک حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہین۔

جو معیار فضیلت مینے پیش کیا ہے۔ وہ نہایت صاف ہے کیونکہ جو شخص خود اللہ تعالےٰ سے اعلےٰ درجہ کا صاف اور پاک اور مضبوط تعلق نہین رکھتا وہ دوسرونکو حقیقی پاکیزگی پر کیونکر قایم کر سکتا ہے اور انکا تعلق اللہ تعالےٰ کے ساتھ کیونکر قایم کر سکتا ہے۔ پس جو تبدیلی کوئی شخص پیدا کرتا ہے۔ وہی اسکی صداقت اور فضیلت پر دلیل ہے۔ پس اگر دلایل سے کام لیا جاوے تو کوئی فلاسفر۔ کوئی ہمدرد بنی نوع کوئی مصلح کوئی نبی ایسا نہین جو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی برابری کا دعوےٰ کر سکے اور یون کل

نسل انسانی پر آپکی فضیلت ثابت ہے۔ اس معیار سے بڑے بڑے لمبے مذہبی مباحثات کا چند لفظون مین ہی فیصلہ ہو جاتا ہے لیکن اگر کسی معیار کے رو سے ہم کسی مدعی کی صداقت کو نہ پرکھین بلکہ ہر بات مین اس کی نیت اور ارادہ پر حملہ کرین تو کونسا نبی ہے جو اعتراضون سے بچ سکتا ہے۔ پادری سیل صاحب دہریونکی کتابون سے ناواقف نہین جنھون نے حضرت مسیح پر اسقدر حملے کیے ہین کہ اور کسی نبی پر اتنے اور ایسے سخت حملے نہین ہوئے مین یہ تو نہین کہتا کہ جو پادری صاحبان اسلام پر قلم اٹھاتے ہین وہ بھی واقعی دہریہ ہی ہین لیکن اگر ان کی تحریرون مین ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے نام کی بجائے حضرت مسیح علیہ السلام کا نام درج کر دیا جائے تو یہ تحریرین بعینہ دہریونکی تحریرین بن جائینگی۔ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر پادری سیل کا یہ اعتراض صحیح ہے کہ چونکہ چند لوگ جو حنیف کہلاتے تھے اور بت پرستی کے مخالف تھے آپ سے پہلے پیدا ہو چکے تھے اور اسلیے ضروری ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا دعوے وحی الہی کی بناپر نہ تھا بلکہ حنیفونکی طرف دیکھکر ہی آپنے بھی دعوے کر دیا تھا تو حضرت مسیح تو اور بھی قابل الزام ٹھہرتے ہین کیونکہ آپ سے پہلے ایک عظیم الشان فرقہ جو اسین کے نام سے پکارا جاتا ہے موجود تھا جسکی تمام تعلیم وہی تھی جو بعد مین حضرت مسیح نے دینی شروع کی جس سے وہی طرز استدلال اختیار کرکے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت مسیح نے بھی اس فرقہ کی طرف دیکھکر اور انہین کی تعلیم چرا کر خود وعظ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اگر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض پادری صاحب کرتے ہین کہ آپکو کسی فرضی راہب سے یہودیون اور عیسائیون کی تعلیم کا پتہ لگ گیا تھا تو حضرت مسیح پر الزام ثابت شدہ ہے کہ آپنے توریت اور دوسری یہودیون کی کتابونکو سبقًا سبقًا اُستاد سے پڑھا تھا اور آپکی تمام تعلیم انہین تحریرون سے لی گئی ہے۔ مین پادری سیل صاحب کو یقین دلاتا ہون کہ اگر وہ حضرت مسیح کی زندگی اسی طرز پر اور ویسے ہی خیالات کو دل مین لیکر لکھنا شروع کرے تو جو کچھ وہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ثابت کرنا چاہتا ہے اس سے بھی بدتر حضرت مسیح کو پائے گا +

اصل بات یہ ہے کہ پادری صاحبان کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور فضیلت کی یہ نمایان دلیل کہ آپنے وہ تبدیلی پیدا کی جو اور کسی نے نہین کی کھٹکتی رہتی ہے اور اسلیے اسکے اثر کو کم کرنیکے لیے اس طرح کے فضول عذر تراشتے رہتے ہین کہ عرب پہلے سے ہی اس عظیم الشان تبدیلی کے قبول کرنیکے لیے تیار تھا۔ اگر پادری صاحب کو ان جھوٹے اور بے بنیاد دعوون سے کچھ تسلی بھی ملتی ہے اور آپکی لائف کا میابی کے لیے ظاہری وجہ انکے نزدیک پیدا ہو جاتی ہے تو اس سے انکو فایدہ کیا کیونکہ پہلے تو انہین اس بات کا فکر چاہیے کہ حضرت مسیح کیون ناکام رہے اور کیون انکو وہ کامیابی نصیب نہ ہوئی جو انکے نزدیک ایک جھوٹے کو ہوئی۔ یہ مذہب کی حمایت نہین بلکہ مذہب کے یہ معنی ہین کہ جو ناکام ہو اسے خدا بنایا جائے۔ اور جو کامیاب ہو اسے جھوٹا کہا جائے یہ تو خدا پر اعتراض ہے کہ وہ چپکا بیٹھا دیکھتا رہا اس مین اسقدر طاقت نہ تھی کہ ایک جھوٹے کی کامیابی کو روک سکتا اور اپنے بیٹے کو تھوڑی سی مدد دیکر کامیاب کر سکتا۔ اے پادری صاحبان

کب تک حق سے گریز کروگے اور باطل کی تائید کروگے۔ خدا سے ہنسی مت کرو۔ وہ وہ طاقتور خدا ہے جو مفتری کو اپنے وعدہ کے مطابق پیس ڈالتا ہے اور ہلاک کردیتا ہے اور اسے نامراد رکھتا ہے اور جھوٹا اس سے وہ تائید کبھی نہیں پاتا جو سچا پاتا ہے۔ اور بہرحال اگر تم کسی کی کامیابی کی کوئی وجہ بھی تلاش کرلوگے تو آخر اسکی کامیابی تو کامیابی ہی رہیگی! اور جو ناکام ہوا ہے اسکی ناکامی کی کوئی وجہ اس ناکامی کو کامیابی سے تبدیل نہیں کرسکتی۔ آخر کس کے ارادے کے مطابق وہ عظیم الشان تبدیلی عرب میں واقع ہوئی اور کس نے یہ چاہا کہ اس قسم کی نمایاں کامیابی سوائے اس ایک کے اور کسی کو حاصل نہ ہو؟ کیا خدا کے سوا کسی اور کے ارادے کے مطابق یہ کام ہو رہے تھے! احمق آدمی نہیں جانتا ہے کہ جس حق کو وہ چھپانا چاہتا ہے آخر وہ ظاہر اور کامیاب ہو کر رہیگا۔ (باقی آئندہ)

انگلستان میں اخلاق اور مذہب کا زوال

میری کوریلی کی کتاب "آزاد رائیں" حال میں شایع ہوئی ہے اور انگریزی پریس میں اسکی بہت کچھ مخالفت اسوجہ پر ہوئی ہے کہ عیسائی ممالک کی موجودہ مہذب سوسائیٹی کے بعض حالات اس نے کھولکر بیان کردیئے ہیں اور آج کل کے مہذب مورخین کی طرح عیبوں کا اخفا نہیں کیا۔ دو بڑی باتیں جو اس میں بیان کی گئی ہیں وہ بدکاری کی کثرت اور مذہب کا زوال ہیں اور ان دونوں امور میں کتاب کی مصنف کے بیان میں کسی قسم کا مبالغہ نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ بڑے بڑے لوگوں نے اس سے بھی بدتر نقشہ مہذب سوسائیٹی کا کھینچا ہے۔ ایک حملہ اس کتاب پر یہ بھی کیا گیا ہے کہ اسکی طرز تحریر سخت ہے۔ مگر جہاں سوسائیٹی اپنے بعض عیبونکا اخفا کرنا چاہتی ہو وہاں کا اظہار ضرور ہے کہ سخت معلوم ہو۔ انگلستان میں مذہبی عقاید کے زوال کے متعلق پہلے یہ دو سوال کیے گئے ہیں "کیا تم اس مذہب پر دل وجان سے ایمان رکھتے ہو جسکے پیرو ہونیکا تم زبانی اقرار کرتے ہو؟ کیا یہ سچ نہیں کہ تم اسکے ایک لفظ پر بھی ایمان نہیں لاتے اور صرف رسم ورواج کے طور پر اسکے پیرو بنے ہوئے ہو؟" ان سوالوں کا جواب دیتے ہوئے عام حالت یوں بیان کی گئی ہے۔

"تم جو ایمان نہیں لاتے مگر رسم ورواج کی خاطر جھوٹا اقرار ایمان لانیکا کرتے ہو۔ سوچو کہ تم کیا ہو۔ تم اپنے آپکو نیک اور معزز سمجھتے ہو مگر واقعات واقعات ہی ہیں اور تم ایمان کا دعوے کرنے میں کذاب ہو۔ دن کی صاف روشنی تم پر پڑتی ہے اور تمکو منافق جانتی ہے تم ایک بدبخت انسان ہو جو رسم کی دیوانہ وار تقلید میں خدا کو بھی دھوکا دینے کی نکمی کوشش کررہے ہو مرد ہو یا عورت جو کوئی تم ہو جھوٹ بولنے سے شرم کرو۔ صاف طور پر اقرار کرو کہ تم

ایمان نہین لاتے پھر کم از کم اس صاف گوئی کے لیے تمہاری عزت کیجائیگی رسم کیخاطر یہ نہ دکھاؤ کہ ہمارے مذہبی خیالات اس فرقہ کیطرف مایل ہین یا اُس فرقہ کیطرف پھر ہم تمہین کذاب یا منافق نہ کہین گے" یہ حالت صرف عوام کی ہی نہین بلکہ کلیسیا اور اسکے عہدہ دارونکی حالت جو پیشوایان مذہب کہلاتے ہین اس سے بھی بدتر بیان کیگئی ہے "یہ بالکل سچ ہے کہ ہمارے اکثر گرجے مسیح کی اصلی تعلیم کے بالکل مخالف پڑرہے ہوئے ہین اور یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ ہم اپنی روزانہ زندگیون مین ٹھیک اس طرز پر چل رہے ہین جس پر مسیح نہایت سخت الفاظ مین لعنت بھیجتا۔ عوام کیحالت کو مدنظر رکھکر یہ کہدینا تو آسان ہے کہ لندن کافر ہورہا ہے لیکن اگر پادریون اور پیشوایان مذہب کو کافر کہا جائے تو یہ بالکل درست ہوگا۔ ان بڑے بڑے عہدہ داران کلیسیا کی حالت پر غور کرو جو اس عقیدہ کے ایک لفظ پر بھی ایمان نہین لاتے جسکا اقرار وہ زبانی کرتے ہین اور جو ہر روز مسیح کے ساتھ دھوکا بازی کرکے روپیہ کے وصول کرنے مین یہودا اسکریوطی کا کام کرتے ہین ان دین کے خادمونکی حالت پر غور کرو جو اپنی روزمرہ زندگیونکے ہر ایک لفظ اور فعل مین اصل عیسائیت سے الٹے چل رہے ہین ان چھوٹی جون والے منافقونکو دیکھو جو دوسرونکو وعظ کرتے ہین مگر خود اسکے ایک لفظ پر بھی عمل کرنیکی کوشش بھی نہین کرتے ان بے ایمان اور دنیادار پادریونکو دیکھو جو دولتمندون اور لارڈونکے گھرون مین ہمیشہ دیکھے جاتے ہین نہایت عمدہ پوشاک پہنے ہوئے اور عمدہ عمدہ کھانے کھاتے ہین اور پھر سوسائٹی کی بدکاریونکا ایسے مزے لیکر ذکر کرتے ہین جیسے کوئی عام رند جو دوسرے کی بیوی کو نیکی کی راہ سے پھیر کر اغوا کرتا ہے۔ ان کینہ ور تنگدل جھگڑالو چھوٹے چھوٹے گرجا والے پادریونکی حالت پر غور کرو جو اپنے اہل محلہ کو بجائے احسان ادائیگی حقوق ہمسائیگی نیکی اور وحدت کا سبق دینے کے انکو ایکدوسرے سے لڑواتے ہین اور کافرونسے بدتر بلکہ خالص وحشیانہ سلوک ان سے کرتے ہین"

اس مین شک نہین کہ کلیسیا ان باتونکے کہنے کو برا سمجھتی ہے بلکہ بعض لوگ انکو مبالغہ سمجھتے ہین مگر میرا خیال ہے کہ جو بیحیائی اور بدکاری اس نام کے مقدس دایرے کے اندر ہوتی ہی اسکا پورا پورا اظہار نہ ہی ہوا ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔ روزمرہ ہم امریکا اور انگلستان کی اخبار و مین پادریونکی بدمستی شرابخوری اور زناکاری کے قصّے پڑھتے ہین یہان ہندوستان مین ہی ایک پادری صاحب جو بھیڑ کہلانا اور بھیڑیے کا کام کرنا پسند کرتے ہین پکڑے گئے کیونکہ انکے متعلق یہ معلوم ہوا تھا کہ وہ یتیم لڑکیونسے جو انکے سپرد تھین بدفعلی کرتے رہے اور عجیب بات یہ ہے کہ یہ سترھوین غریب لڑکی تھی جسکی عفت پر حملہ ہوا اور اگر پادری صاحب اپنے وحشیانہ جذبات کو سولہ تک ہی محدود رکھتے تو کون انکے تقدس مآب ہونے مین شک کرسکتا تھا۔ سو یہ کمتر ہوتا ہے کہ اصل حقیقت ظاہر ہو۔ انگلستان مین جو ایسے واقعات پبلک ہوئے ہین انکے متعلق میری کورلی لکھتی ہے "عجیب عالم

طور پر بدنامی کا بیہ داغ ایک پادری کے دامن پر لگتا ہے تو زیادہ شرم اور مایوسی اور افسوس کا مقام ہوتا ہے۔ جب ہم
ان طبقون مین ان لوگونکے حالات کو دیکھتے ہین اور اکثر ایسے حالات ہمارے دیکھنے مین آتے رہتے ہین جو بجائے زندگی
کی پاکیزگی اور چال چلن کی صفائی کا نمونہ دکھانیکے اپنے آپکو اور اپنے اعلےٰ مرتبہ کو بدترین سیہ کاریون سے جو جاہل
سے جاہل وحشی مین بھی بری معلوم ہوتی ہین ذلیل کرتے ہین تو سخت ہی افسوس اور حیرت ہوتی ہے کہ یہ لوگ جنسے
یہ امید رکھی جاتی ہے کہ وہ غلط کار انسانونکو سیدھی راہ پر لائین ان کی اپنی یہ حالت ہے۔ گذشتہ چند سالون مین بہت سے
آدمیونکی ایسی مثالین ملتی ہین جو کلیسیا عہدہ دارون مین تھے اور جنہون نے عمداً شوخی اور بدمستی سے عزت
اور نیکی کے ہر ایک پاک قانون کو توڑا اور انکی یہ سیہ کاریان اور بھی بساہ معلوم ہوتی ہین۔ جب ہم انکے سفید (چہرون
نہین بلکہ) عقاید کو دیکھتے ہین۔"

روحانیت کی یہ گری ہوئی حالت کیون پیدا ہوئی ہے اسلیے کہ دنیا اور دولت کی محبت بڑھ گئی ہے اور
یہ ایسی بیماری ہے جو عیسائی ممالک مین اعلےٰ سے لیکر ادنےٰ تک کو لگی ہوئی ہے یہ بالکل سچ ہے کہ انسان کے
دلمین دو معبودون کی محبت نہین ہو سکتی۔ یا خدا کی پرستش کیلیے جگہ ہوگی اور یا دولت کے دیوتا کی پرستش کیلیے۔
عیسائی دنیا کی کل توجہ اور عقدہمت اسوقت دولت کے جمع کرنے اور دنیوی آسایشونکے حصول مین لگی ہوئی ہے چنانچہ
کتاب زیر ریویو کی مصنفہ لکھتی ہے "ایک نظر ان متکبرونکی طرف اٹھا کر دیکھو جو خداوند کے خادم کہلاتے ہین۔
اور پرلے درجہ کے خود پرست جھگڑالو لڑاکے تنگ خیال ہین یعنی پوپ اور اسکے بڑے بڑے عہدیدار یا کنٹربری
کا لاٹ پادری۔ اور اسکے بشپ ڈیکن۔ ڈین اور چھوٹے چھوٹے عہدیدار۔ یہ لاکھون فرقے اور یہ امیرانہ ٹھاٹھ والے اور
دنیا کے طلبگار جو یہ کہتے ہین کہ ہم انجیل کی وعظ کرنیکے لیے بلائے گئے ہین ان سے پوچھو کہ تمہارے پاس تمہارے
ایمان لانیکی کونسی شہادت ہے۔ اور کونسی شہادت اس امر کی ہے کہ تم اسی آقا کے پیرو ہو جو عیاشی کو کبھی پسند نہین کرتا
تھا اور جسکے پاس سر رکھنے کیلیے بھی جگہ نہ تھی۔ اور تم عام لوگو تم کیونکر یہ دعوے کر سکتے ہو کہ تم اس غریب اور
معمولی انسان کے پرستار ہو جبکہ تم اپنی زندگی کے ہر ایک فعل سے یہ ثابت کر رہے ہو کہ تم زمین اور آسمان کی سب
چیزونسے زیادہ دولت سے پیار کرتے ہو اگر تم جو کروڑہا روپے کے مالک ہو کبھی دین کیلیے خرچ بھی کرتے ہو تو صرف
اسقدر اور اس غرض سے کہ تمہاری شہرت ہو اور تمہارا نام بڑا ہو۔ کیون تم اتوار کے دن اپنے منافق سرونکو یسوع
کے نام کے آگے جھکاتے ہو جو بظاہر ایک بڑھئی کا بیٹا تھا اور بڑھئی کا کام کرتا تھا۔ اور حالانکہ تم ایسے کام کرنیوالون اور
مزدوری پیشہ لوگونکو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہو اور جب فقیر تمہارے دروازے پر آتا ہے تو اسے لات مار کر نکال دیتے ہو"
بدکاری کے پھیل جانیکو عیسائی اور غیر عیسائی سبھی مانتے ہے مگر اس کتاب کی مصنفہ بڑے درجہ کی سوسائٹی
مین اسکے بہت زیادہ پھیل جانے پر نہایت افسوس کرتی ہے "مگر تمدن کے دایرے مین سب سے بڑی بدبختی یہ ہے

کہ بدکاری کا ارتکاب دن بدن زیادہ کھلے طور پر ہوتا شروع ہوگیا ہے۔ اور معاہدہ نکاح سے نہایت بیحیائی سے لاپروائی
دکھائی جاتی ہے اس بارے مین انگریزونکے سب سے اعلے طبقہ کی سوسائیٹی سب سے بڑھی ہوئی ہے اور اس زمانہ کی سب سے
بڑی مثالین اس مین ملتی ہین۔ یورپ یا امریکہ مین جو کچھ ہی کہ خدا سے دوری اور رندگی کی زندگیان بسر کیجاتی ہون
ہمین کرنا یہ ماننا پڑتا ہے کہ گریٹ برٹن مین وہ لوگ موجود ہین جو تاریخی طور پر اپنے نامونکی عزت اور اپنی وجاہت کے
سبب سے تمام ملک مین مشہور ہین جو اپنے گھر مین اپنی بیویونسے زنا ہوتا ہوا دیکھکر بھی نہایت بزدلی سے خاموشی
اختیار کرتے ہین۔ اور دوسرون کے لڑکون کو اپنے لڑکے تسلیم کرتے ہین حالانکہ انکو خوب علم ہوتا ہے کہ وہ بچے
ولد الزنا ہین۔ ہم نے ایک بڑے ذی رتبہ امیر کا حال سنا ہے جو ایکدوسرے آدمی کی عورت سے زنا کرتا تھا اور جب
اس بات کا چرچا عام ہوگیا تو دیوث خاوند نے اس بیحیائی پر پردہ ڈالنے کے عوض ساٹھ ہزار پونڈ کی رقم قبول
کی اور اسی بات پر بالکل خاموشی ہوگئی۔ اور اب وہ دونون فریق اعلے درجہ کی سوسائیٹی مین اس سے بھی
زیادہ عزت اور ادب کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہین جیسے کہ وہ پاک اور بے عیب ہونیکی حالت مین دیکھے جاتے
اس لیڈی کی تصویر جسکی زناکاری کی قیمت ساٹھ ہزار پونڈ لی گئی تھی باتصویر تحریرون مین عموماً دیکھی جاتی
ہے اور اسکے نیچے یہ موزون الفاظ درج ہوتے ہین کہ وہ عفت اور پاکیزگی کی ایک مجسم تصویر اور سفید کبوتری
ہے۔ اس بیحیائی کے قصے مین اصل ملزمونسے بھی بڑھکر وہ فیشنیبل لوگ قابل الزام ہین جو انکے اس چال چلن کو
اسکے علاوہ اس کتاب مین اور بہت سی چھوٹی چھوٹی بدیون کا ذکر ہے جیسے مہمان نوازی کا مفقود ہونا*
گھر کے اندر کی خوشحالی کا زوال۔ فاخرہ لباس کا جنون۔ عورتونکا اجرت دیکر اخبارون مین اپنے متعلق یہ شایع کرانا
کہ فلان عورت نہایت خوبصورت اور جوان اور دلفریب ہے اخبارونکی گندہ حالت جو کالمونپر کالم یہی بیان
کرنے مین سیاہ کردیتی ہین کہ فلان ناچ یا عیش کی مجلس مین فلان عورت کا لباس ایسا اعلے اور ایسا چمکیلا اور
ایسا دلکش تھا اور اسنے فلان فلان جواہرات یا زیورات پہنے ہوئے تھے۔ دولت اور دنیا کی محبت۔ وغیرہ وغیرہ
مگر مین سمجھتا ہون کہ یہ تمام بدیان انہین دو کے فروع ہین جو مینے ابتدا مین بیان کی ہین اور اسلیے پر تفصیل سے
لکھنے کی کچھ حاجت نہین اگر وہ دو عیب دور ہوجائین یعنی ایمان اور اخلاق کا زوال تو چھوٹے چھوٹے نقص
خودہی دور ہوجاوینگے۔ درحقیقت وہ چیز جسکی اسوقت مہذب سوسائیٹی کو سخت ضرورت ہے وہ خدا تعالے پر
پاک اور سادہ اور یقینی ایمان ہے۔ وہ ایمان جس کی روشنی کی شعاعین ہر ایک ظلمت کو دور کردین اور دل کو
تمام بد خواہشات سے پاک کردین۔ وہ ایمان جو زندہ اور طاقتور خدا کا چہرہ اسی دنیا مین دکھادے۔ جبتک اللہ تعالے
پر ایسا ایمان پیدا نہ ہوگا اور اس پاک ذات سے ایسا مضبوط اور خالص تعلق نہ ہوگا۔ حقیقی پاکیزگی کبھی حاصل نہین
ہوسکتی۔ مغربی دنیا کا مذہب رواجاً اسکو عیسائی مذہب ہی کہلو۔ خدا تعالے پر ایسا ایمان پیدا کرنے اور اسکے

ساتھ ایسا تعلق قایم کرنے اور اسکی ایسی محبت اور عظمت دل مین قایم کرنیسے قاصر ہے اور یہی جڑ سب بدکاریونکی ہو دنیا مین دو ہی قسم کی کشش ہی یعنی ایک خدا کی اور دوسرے دنیا کی محبت اور آسایش اور روپے کی کشش۔ عیسائی دنیا اسوقت بکلی اس دوسری کشش کے نیچے آئی ہوئی ہے اور تمام افعال مین اور اقوال مین اور ارادون مین انکے مدنظر دنیا اور دنیا کی آسایش ہی ہے۔ اسلیے یورپ مین سوسایٹی کی یہ حالت ہے جس سے خدا کا تعلق بالکل کٹ چکا ہے اور دنیا کا تعلق دن بدن بڑھ رہا ہے۔ خدا کا نام اتوار کے دن وعظ مین لینے کیلیے رکھا ہوا ہے۔ اور دل مین خدا کی محبت بالکل نہین کیونکہ دل دنیا کی محبت سے پُر ہے اور خدا کی محبت کیلئے اس مین کوئی جگہ خالی نہین۔

اگر کوئی یورپ مین طالب حق ہے تو اسے یاد رکھنا چاہیے کہ صرف اسلام ہی وہ پاک مذہب ہے جو دل کو گناہ اور جذبات سے آزاد کرتا ہے اور اس دنیا کی محبت کی آگ پر پانی ڈالتا ہے یہی وہ مذہب ہے جو خدا کی راہ دکھاتا ہے اور انسان کو ان تمام برکات کا وارث بنا دیتا ہے جو پہلے راستبازونکو دیگئیں۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ اسلام ہی وہ ایک مذہب ہے جو گناہ سے نجات کا سچا راہ بتاتا ہے اور وہ راہ یہ ہے کہ وہ اپنی عجیب تاثیر والی تعلیم سے اور اللہ تعالیٰ کی ہستی پر خارق عادت نشانونسے اور دعاؤنکی قبولیت سے ذات باری پر وہ پختہ اور یقینی ایمان پیدا کرتا ہے جسکے سامنے بدی کی طاقت کمزور ہو کر نابود ہو جاتی ہے کیونکہ جب انسان اس یقینی ایمان سے جسپر اسلام اسکو پہونچاتا ہے یہ جانتا ہے کہ خدا ہی جو دل کے بھید ونکو جانتا اور انسان کو اسکی بدکاری اور احکام الٰہی کی خلاف ورزی پر گرفت کر سکتا ہے۔ اور اسکی طاقت کے بالمقابل سب طاقتین ہیچ ہین تو وہ کبھی نہ خفیہ اور نہ ظاہر اسکی خلاف ورزی مین قدم رکھ سکتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر اسنے ایسا کیا تو خدا کے غضب کی آگ اسکو بھسم کر جائیگی۔ یہ وہ پاک اور مضبوط ایمان ہے جسکی اسوقت یورپ کو بلکہ کل دنیا کو ضرورت ہے اور اسکے سوائے دنیا کی نجات کہین نہین۔

زلزلون کی پیش گوئیان

ولایت کے میگزین آکلٹ ریویو مین ایک مضمون ۴ اپریل والے زلزلے کے متعلق شایع ہوا ہے جس مین یہ لکھا گیا ہے کہ زلزلے عموماً چاند گرہن یا سورج گرہن کے بعد آتے ہین اور فلان فلان ستارے فلان فلان برج مین ہون تو اسوقت آتے ہین چنانچہ یہ دعوے کیا گیا ہے کہ اسی بنا پر زیڈکیل کی جنتری مین جو اکتوبر ۱۹۰۴ء مین شایع ہوئی تھی۔ یہ لکھا گیا تھا کہ ۷۰ درجہ طول بلد کے قریب مارچ کے اخیر یا اپریل کے ابتدا مین ایک تیز دھکہ زلزلہ کا محسوس ہوگا۔ مین اس وقت یہ بحث نہین کرونگا کہ آیا واقعی سیارون کا کوئی اثر زمین پر ہے یا نہین اور اس اثر سے زلزلے

پیدا ہو سکتے ہین یا نہین بلکہ مین ایک اور امر کی طرف ناظرین کو توجہ دلانا چاہتا ہون - زیڈکیل کی جنتری اکتوبر ۱۹۰۶ء
مین شایع ہوئی اور اس مین کسی ملک کا نام نہین کہ فلان ملک مین زلزلہ آئیگا۔اسی طول بلد یعنی ۴۰ درجہ مین بہت سے
ممالک واقع ہین اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ اصل مرکز زلزلہ کا جہان اس کی تباہی سب سے زیادہ ہوئی ہے کانگڑہ
تھا جو ۷۶ - اور ۷۷ درجہ طول بلد شرقی کے درمیان واقع ہے۔اس جنتری کی اشاعت سے دس ماہ پہلے ایک شخص نے
خدا سے الہام پاکر یہ اخبار مین شایع کیا تھا کہ ایک دھکا زلزلہ کا اس ملک مین محسوس ہونیوالا ہے اور پھر اس پہلی
اشاعت کے پانچ ماہ بعد یعنی اس جنتری سے پانچ ماہ پہلے یہ پھر شایع کیا کہ اس ملک کے ایک بڑے حصہ مین مکانات
بالکل زمین سے ملجائینگے اور نیست و نابود ہوجائینگے جیسا کہ الہام الٰہی عفت الدیار محلہا و مقامہا سے پایا جاتا
ہے (مفصل ان پیش گوئیون کے لیے دیکھو نمبر ۵ و نمبر ۴) یہ عجیب بات ہے کہ سیارون کے اثر کے لیے تو
لوگون کو بہت توجہ ہے اور اس قسم کے بیانات کو بغیر سوچے سمجھے قبول بھی کر لیتے ہین مگر وہ امر جس سے اللہ
تعالٰے کی ہستی اور اسکے تصرف تام اور علم کامل اور قدرت کاملہ پر ایک یقینی اور قطعی ثبوت ملتا ہے اسکی طرف توجہ
نہین کرتے بلکہ اس کا ذکر بھی کیا جائے تو پیٹھ پھیر دیتے ہین - کیا الہام الٰہی مین قبل اس کے کہ سیارون کا اجتماع معلوم
ہو سکے یا جنتری مین شایع ہو - زلزلہ کی خبر نہین دیگئی - اور پھر زیڈکیل کی جنتری کی خبر ہے بھی مہمل کیونکہ اس مین
صرف اسقدر لکھا ہے کہ ایک تیز دھکہ زلزلے کا محسوس ہوگا - مگر تیز دھکے دنیا مین ہمیشہ اور ہر ملک مین کم و بیش
آتے ہی رہتے ہین - مثلاً ۴ اپریل کے پنجاب کے زلزلے کو کیا خصوصیت ہے یقینی طور پر تیز دھکے نیوزیلینڈ
بندر عباس - سوئٹزرلینڈ - فرانس - اٹلی - ویلز - ٹرکی وغیرہ ممالک مین محسوس ہوئے - جن مین سے کوئی
بھی اس طول بلد پر واقع نہین جس کا ذکر زیڈکیل کی جنتری مین ہے اور نہ ہی یہ تیز دھکے اسوقت پر محسوس
ہوئے - ایسا ہی تیز دھکے زلزلے کے ۴ - اپریل کے بعد کئی دفعہ محسوس ہو چکے ہین اس لیے تیز دھکہ کہدینا
کوئی علم نہین دیتا - مگر خدائے عالم الغیب نے جو وحی کی اس مین نہ صرف زلزلہ کا تیز دھکہ ہی بتایا گیا بلکہ ساتھ ہی
یہ بھی بتا دیا گیا کہ اس قسم کا زلزلہ ہوگا کہ ایسا پنجاب مین پہلے کبھی نہین ہوا جس سے ایک حصہ ملک پنجاب مین
عمارتین ہی نیست و نابود ہو جائینگی - اب یہ وہ بات ہے جسپر کوئی انسانی عقل احاطہ نہین کر سکتی خالی تیز دھکہ
کہنا ایک مبہم لفظ ہے مگر وحی الٰہی نے کوئی ابہام باقی نہین چھوڑا بلکہ ایسے صاف الفاظ مین زلزلہ کی کیفیت کو
بیان کر دیا جس سے بڑھکر صفائی ممکن نہین - علاوہ ازین ان امور کو کسی منجمانہ تحقیقات سے کوئی تعلق نہ تھا کیونکہ اس
جنتری سے ایک سال کے قریب پہلے یہ وحی شایع ہو چکی تھی پس اگر زیڈکیل کی جنتری مین شایع شدہ بیان
سے سیارون کا کوئی اثر زمین پر ثابت ہوتا ہے تو اس وحی الٰہی سے نہایت بین اور واضح دلایل اللہ تعالٰے
کی ہستی پر پیدا ہوتے ہین - کاش دنیا غور کرے -

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اب جب منجم اور علم زلزلہ کے ماہر دو سو سال تک اس ملک مین کسی زلزلہ کے آنیسے انکار کر چکے ہین وحی الہی اب بھی یہ خبر دیتی ہے کہ آیندہ ابھی کوئی اور مصیبت پہلی سے بھی بڑھ کر آنیوالی ہے۔ یہ کسقدر بین دلایل ہین مگر جہان لوگ زمینی علوم کی طرف جھکے ہوئے ہین خدا کی باتونکی طرف انکو دھیان کرنا بھی مشکل ہوتا ہے +

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۲- جون ۱۹۰۵ء- رؤیا- ایک بڑا دریا ہے- اس مین سے کوئی چیز نکلی ہے جس مین سے شعلے نکلتے ہین اور وہ چیز اس طرح میرے سامنے آئی جیسے دریا بطور تحفہ کے کوئی چیز پیش کرتا ہے اسے مینے لے لیا تو وہ ایک ٹوپی مچھلی کی کھال کی بنی ہوئی تھی اور مینے اسے سر پر رکھ لیا اسکے بعد پھر ایک اور چیز دریا نے پیش کی جو مچھلی کے چمڑے کا بنا ہوا ایک چغہ ہے وہ بھی مینے لے لیا- (فرمایا دریا سے مراد کوئی بڑا ذیشان آدمی یا اہل علم و فضل و کمال ہوتا ہے اور اسکے تحفہ دینے سے مراد حلقہ خادمون مین داخل ہونا یا معتقد ہونا یا رجوع لانا یا مالی خدمت کرنا ہے (واللہ اعلم)

۱۲- جولائی ۱۹۰۵ء- الہام- روحانی عالم کا دروازہ تیرے پر کھولا گیا- فبصرک الیوم حدید-

۲۶- " " " کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف- ترجمہ مین مخفی خزانہ تھا پھر مینے چاہا کہ مین پہچانا جاؤن-

فرمایا صفات الٰہیہ کا ظہور ہے کسی زمانہ مین کوئی ایک صفت ظاہر ہوتی ہے اور کسی زمانہ مین پوشیدہ رہتی ہے- جب ایک اصلاح کا زمانہ دور پڑ جاتا ہے اور لوگون مین خداشناسی نہین رہتی تو اللہ تعالے پھر اپنی معرفت کو ظاہر کرنیکے واسطے ایک ایسا آدمی پیدا کرتا ہے جسکے ذریعہ سے اسکی معرفت دنیا مین پھیلتی ہے لیکن جس زمانہ مین وہ مخفی ہوتا ہے اس زمانہ کے عابد انکی عبادۃ اور زاہد انکے زہد بھی ادھورے اور نکمے رہ جاتے ہین- یہ الہام براہین احمدیہ مین بھی درج ہے لیکن اب پھر اس کے خاص ظہور کا وقت معلوم ہوتا ہے اسواسطے دوبارہ یہ الہام ہوا ہے +

۲۹- جولائی ۱۹۰۵ء- "محمد مفلح" (اس الہام مین حضرت مسیح موعود کو ان نئے نام سے خطاب کیا گیا ہے)

۳- اگست - پہلے رؤیا دیکھی کہ ایک لفافہ کسی نے دیا ہے اس مین سے دو چار پیسے نکلے ہین - پھر وہ پیسے میرے سامنے رکھے ہوے بہت سارے ہوگئے ہین - اسکے بعد الہام ہوا:- **"تیرے لیے میرا نام چمکا"**

ریویو

بست سوال - شیخ اله دین صاحب احمدی واعظ انجمن حمایت اسلام لاہور نے عیسائی مذہب پر بیس مضبوط اعتراض کیے ہین اور ان کا جواب عیسائی صاحبان سے طلب کیا ہے - ۲۰ صفحے - قیمت ا ر

سائینس و تعلیم - ایک نیا ماہوار رسالہ جولائی ۱۹۰۸ء سے لاہور سائینٹفک و ٹیکنیکل ورکشاپ کیطرف سے نکلنا شروع ہوا ہے - اسکے ایڈیٹر اللہ بہاری لال بھاٹیہ بی ایس سی ہین - غرض سائینس کی [illegible] - قیمت سالانہ ۱۲ ار - معہ انگریزی ضمیمہ - عہ ر

عصر جدید - اس ماہوار رسالے کا جو اڑھائی سال سے جاری ہے جولائی کا پرچہ بغرض ریویو موصول ہوا ہے - اس پرچے مین مختلف اہل علم اصحاب کی قلم کے مضامین مسلمانونکی اصلاح کے متعلق ہوتے ہین کاشکہ وہ اصلاح کی اس پٹری پر ہوتے جسپر بانی اسلام علیہ الصلوۃ والسلام نے چلایا تھا - اسکے ایڈیٹر خواجہ غلام الثقلین صاحب بی اے ہین - ۴۰ - صفحے قیمت عہ ر سالانہ -

مصادر مرکبہ - معروف بہ مرقع اردو - مصنفہ مولوی محمد عبدالمجید خانصاحب رامپوری - اس کتاب مین فاضل مصنف نے اردو زبان کے محاورات کو جمع کیا ہے اور ہر ایک محاورہ کی سند مین اشعار پیش کیئے ہین - مدرسوں اور طالبعلموں کیلیئے نہایت مفید کتاب ہے - پہلا حصہ چھپ چکا ہے جسکی قیمت ۴ ر ہے اسکی چند کاپیان مدرسہ تعلیم الاسلام کے بک ڈپو مین موجود ہین جو صاحب چاہین منگوا کر دیکھ سکتے ہین -

حیرت کی حیرانی - منشی عبدالعزیز صاحب کلارک دفتر نہر جمن غربی دہلی نے مرزا حیرت ایڈیٹر کرزن گزٹ دہلی کے ان اعتراضات کا جواب دیا ہے جو بذریعہ اخبار انہون نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کیئے - اور جو جو دھوکا دہی مرزا حیرت نے کی ہے اسے بڑی قابلیت اور محنت سے کھولکر دکھایا ہے - بڑی خوبی یہ ہے کہ انکے تمام اعتراضوں کا جواب انکی اپنی تحریروں سے دیا ہے - ساڑھے نو جز کا رسالہ قیمت صرف ۵ احباب متعدد کاپیان خرید کر مفت تقسیم کرین اور رسالہ کی اشاعت مین منشی صاحب موصوف کو مدد دیں - دوسرا حصہ اس کتاب کا زیر تصنیف ہے جس کی قیمت ۲ ر ہے +

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۲

ہمارا مدرسہ

ہمارے احباب کو ابھی تک اس بات کیطرف توجہ نہین ہوئی کہ قادیان مین مدرسہ قایم کرنیکی اصل غرض کیا تھی اور وہ کس حد تک پوری ہورہی ہے اسوقت ہمارے بورڈنگ ہوس مین چالیس لڑکے ہین اگر مین پوچھتا ہون کہ کیا اس دو یا تین لاکھ کی جماعت مین کل یہی چالیس لڑکے ہی مدرسہ جانیکے قابل ہین افسوس سے کہنا پڑے گا کہ یہ جماعت کے پڑھنے والے بچون کا سوان حصہ بھی نہین۔ پھر میرے دوستو کس قدر افسوس کی جگہ ہے کہ آپ کا امام اپنی زندگی مین اپنے سامنے آپ لوگونکے بچونکے لیے ہان انکی دینی اور ساتھ ہی دنیوی بہبودی کیلیے بھی ایک مدرسہ قایم کرے اور آپ لوگ اپنے اپنے شہرونکے مدرسونکو اسپر ترجیح دین اگر اس مدرسہ کے قایم کرنیکی یہ غرض نہین کہ اپنی جماعت کے کل بچے اس جگہ تعلیم پا دین تو اس مدرسہ کا رکھنا بالکل فضول ہے اور ایک دکھاوے سے بڑھکر اسکی کوئی وقعت نہین۔ پھر کیون ایک دکھاوے کی خاطر قوم پر اسقدر بوجھ پڑے۔ اگر بورڈنگ ہوس مین جا کر بورڈرونکی تختیونکو دیکھو اور یہ تلاش کرنے لگو کہ لاہور امرتسر اور سیالکوٹ جیسے عظیم الشان شہرونمین سے کسقدر بچے یہان تعلیم کیلیے آئے ہین تو اس تکلیف کے اٹھانیکی کوئی ضرورت نہین مین آپکو بتا دیتا ہون کہ ایک بھی لڑکا نہین کیا اس طرحسے قوم قوم بنیگی کیا احمدیونکی نئی نسل جو دنیا کے لیئے بطور ہادی اور رہبر کے ٹھہرنی ہے اسیطرحسے پیدا ہوگی کہ تمہارے بچے بھی دوسرے مسلمانون ہندوؤن عیسائیونکی طرح انہین مدرسونمین دنیا کے کیڑے بنے رہین اور دین کا خیال بھی انکے نزدیک نہ آئے کیا دین کو دنیا پر یہی ترجیح ہے کہ آپ لوگ اپنے بچونکو تعلیم کیلیے بھی یہان نہین بھیج سکتے حالانکہ معمولی دنیوی تعلیم بھی انکو یہان دیجاتی ہے۔ کسقدر افسوس کا مقام ہے کہ وہ انسان تمہارے درمیان موجود ہے جسکی نسبت تمہارا ایمان ہے کہ وہ وقت بھی آنیوالا ہے کہ بادشاہ اسکے کپڑونسے برکت ڈھونڈینگے اور تم اپنے بچونکو اسکے فیض صحبت اور اسکا چہرہ دیکھنے سے محروم رکھو۔ جو لوگ خود یہان آکر نہین رہ سکتے انکے یہ کیسا عمدہ موقعہ تھا۔ کہ وہ اپنے بچونکو یہان بھیجدیتے .... اگر قوم متفق ہوکر اپنے بچونکو اسجگہ تعلیم دینے پر آمادہ ہوجاے تو چند دنون مین ہی چالیس سے چار ہزار تک بورڈرونکی تعداد پہنچ سکتی ہے اور انہی فیسونسے جواب دوسرے مدرسونمین دیجاتی ہین اعلے درجہ کا سکول اور بورڈنگ ہوس ہی نہین بلکہ ایک عظیم الشان کالج تیار ہوسکتا ہے یہ وقت کام اور ترقی کا ہے سو غور کرو اور اتفاق سے وہ نمونہ قایم کرکے دکھاؤ جو دنیا کی قومونکو حیران کرنیوالا ہو جس طرح نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے دنیا کو حیران کر دیا تھا۔

اسکے ساتھ ہی مین یہ بھی کہنا چاہتا ہون کہ جن مساکین اور یتامی کی پرورش اس مدرسہ مین کیجاتی ہے انکی مدد کرکے بھی حصول ثواب کے مستحق ٹھہرو۔ یہ دو مدین مستقل آمد کا ذریعہ چاہتی ہین کیونکہ انکا خرچ اسوقت سو روپے ماہوار کے

حکیم فضلدین صاحب نے اپنے مطبع ضیاءالاسلام مین بنیجر میگزین کیلیے چھپایا +